- 1947ء کی کہانی مظلوموں کی زبانی
- تحریک پاکستان میں خلفائے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کردار
- تحریک پاکستان میں شیخ القرآن عبدالغفور ہزاروی کا کردار
- تحریک آزادی میں علمائے اہلسنت کا کردار
- حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ
- ... اپنے بھائی کے بارے میں بتاتی ہیں
- ... ہند کے چند تاریخی جملے رحمۃ اللہ علیہ
- ... ظریہ اور علماء و مشائخ
- ... محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ

E-mail:waseemrazaqadri@yahoo.com Cell:0300-4541210

حسن ترتیب

ایڈیٹر ← حافظ محمد وسیم قادری

صفحات

Waseemrazaqadri@yahoo.com

ہدیہ فی شمارہ ________ 12 روپے
سالانہ ________ 150 روپے
ڈرافٹ پر صرف ماہنامہ امیر اہلسنت لاہور لکھیں
مسلم کمرشل بینک ہال روڈ لاہور کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 4-1437

علمی پبلشرز داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

اُس کی آواز سنو

خواجہ رضی حیدر

اُس کی آواز سنو
اُس کی منور آواز
جسم سے جس کے ہے انوار الٰہی کا ظہور
وہ بشر ایسا کہ ہے نور ازل سے معمور
اُس کی آواز سنو
بھیجے جس پہ دو عالم ہیں سلام اور درود
جس کی آواز سے ظاہر ہیں سبھی غیب و شہود
اُس کی آواز سنو
جس کی آواز میں موجود ہے دستور حیات
جس کی آواز میں پوشیدہ ہے منشور نجات
اُس کی آواز سنو
جس کی آواز سے روشن ہوا قرآن عظیم
جس کی آواز ہے اللہ کی حتمی تفہیم
اُس کی آواز سنو
گفتگو جس کی شریعت بھی طریقت بھی ہے
جس کی آواز میں برہان بھی حجت بھی ہے
اُس کی آواز سنو
جس کے نعلین کے صدقے میں معزز ہے زمیں
جس کی آواز ہدایت کا ہے پیغام مبیں

اُس کی آواز سنو
اُس کی منور آواز
معرفت کے سبھی عرفاں اسی آواز میں ہیں
رازِ کونین بھی پنہاں اسی آواز میں ہیں
تا قیامت یہی آواز رہے گی قائم
ہاں یہ آواز ہے آوازِ رسولِ اکرم
اُس کی آواز سنو
اُس کی منور آواز
مغفرت کا یہی آواز وسیلہ ہے رضی
شوکتِ دین بھی یہی شوکتِ دنیا بھی یہی
اُس کی آواز سنو
اُس کی منور آواز
اسم سے جس کے ہے مقبول دعا کی آواز
جس کی آواز میں شامل ہے خدا کی آواز
اُسی آواز سے منسوب شب و روز درود
اُسی آواز سے منسوب شب و روز سلام
اُس کی آواز سنو
اُس کی منور آواز

☆☆☆

اداریہ

چودہ اگست خوشی منانے کا دن؟

چودہ اگست 1947ء کا دن برصغیر کے مسلمانوں کیلئے قیام پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مسلمانوں کیلئے یہ دن خوشی اور ہندوؤں کیلئے یوم غم تھا ہندوؤں اور اُن کا لیڈر گاندھی چاہتے یہ تھے کہ انگریز عیار کے برصغیر سے چلے جانے کے بعد مسلمان ہمارے غلام بن جائیں۔ اور ہم ان کی عزت و آبرو کو ہر طرح سے پامال کریں لیکن ہندوؤں کا یہ ادھورا خواب پورا نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے اپنا غلام بنانے کیلئے بعض نام نہاد مسلمان لیڈروں کو خریدا اور کانگریس کے ساتھ ہر طرح سے وفاداری نبھانے پر آمادہ کیا۔ لیکن وہ دوراندیش اور روشن ضمیر خلفائے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور علمائے اہلسنت کی تحریک پاکستان کیلئے جدوجہد کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑے نہ ہو سکے۔ بالآخر پاکستان بن گیا۔

پاکستان بن جانے کے بعد ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں نے خون کی ہولی کھیلی۔ مسلمانوں کے مال و جان کو بڑی بے دردی سے لوٹا اور بے شمار کو شہید کیا۔ ہندوؤں کو سب سے زیادہ دُکھ مسلمانوں کیلئے علیحدہ ملک پاکستان بن جانے کا تھا۔

پاکستان بن جانے کے بعد گاندھی کو ہندوستان کے ایک وزیر نے دستخط کرنے کیلئے فائل دی جس میں ایک مشین کے پرزے پاکستان سے منگوانے کا آڈر تھا۔ گاندھی نے وہ فائل اپنے وزیر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔ "ہم اس پروجیکٹ کو بند تو کروا سکتے ہیں لیکن اس کیلئے پرزے پاکستان سے نہیں منگوا سکتے"۔

ہندوؤں نے 1947ء کے بعد ہر طریقے سے پاکستان اور مسلمانوں کو کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ لیکن آج تک ہم نے یہ نہیں سوچا کہ ہندو بنیا کس کس انداز سے ہمارے ملک و ملت کو کمزور کرنے کیلئے پروگرام بنا رہا ہے۔ اور آج ہم کیا کیا چیزیں ہندوستان سے در آمد کر رہے ہیں کسی بھی ملک کی مصنوعات کو اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دینا اپنی معیشت کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ اگر اپنی قوم کو جینا سکھانا ہے تو پھر ضروریات زندگی کی اشیاء اپنے ملک میں تیار کرنی ہوں گی۔ تاکہ دشمن کے ہاتھ جانے والا کثیر سرمایہ اپنے ملک میں رہے۔

لیکن ہمارے ملک میں ہر خاص و عام کی اس طرف کوئی توجہ نہیں صرف ملک پاکستان کو جی بھر کے لوٹ لینے اور باتوں کے قلعے کھڑے کر لینے کا نام ہی جشن آزادی رہ گیا ہے۔ جشن آزادی کا یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی غربت اور جہالت پر ہنسیں اور ناچ کر خوشی منائیں۔ ہمارے نوجوان موٹر سائیکل کا سلنسر اتار کر دھوئے سے سڑکوں کو بھر کر اور شور شرابے سے ملک کا سکون برباد کریں۔ کیا صرف جھنڈا لگا لینے اور مختلف رنگوں سے اپنے منہ اور کپڑوں کو خراب کر لینے کا نام جشن آزادی ہے؟ زندہ قومیں اپنے ملک کی جشن آزادی ہر سال ترقی اور مالی استحکام سے مناتیں ہیں تعلیمی کارکردگی ہی ہر دن جشن آزادی کو ظاہر کر دیتی ہے زندہ قوم کیلئے تو ہر دن ہی محنت کیساتھ یوم آزادی منانے کا ہے۔ جب ذہن آزاد ہو جائیں تو آزادی خود بخود حاصل ہو جاتی ہے کیا ابھی تک ہمارے ذہن غلام ہیں۔

قرآن پاک نظم بلاغت کے اس مقام پر فائز ہے جس کی مثال پیش کرنے سے انسان اور جن عاجز ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اور جن ایک دوسرے کے مددگار بھی ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ (بنی اسرائیل ۱۷/۸۸)

سوال...... یہ صرف دعویٰ ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم جنات کا عجز معلوم کر سکیں۔

جواب......(۱) ہمیں یہ علم اس لئے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔

(۲) عرب اس بات کے قائل تھے کہ بعض اوقات جنوں سے گفتگو ہوتی رہتی ہے، ان کے پاس جنوں کے اشعار بھی محفوظ تھے۔ (اس کے بعد امام ابوبکر باقلانی نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں ۱۲ قادری) معمولی غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے کلام کی فصاحت انسانوں کے کلام سے زیادہ نہیں بلکہ کم ہوتی ہے جب انسان قرآن پاک کی مثال نہیں لا سکے تو جنات بھی مثال لانے سے عاجز ہونگے، کیونکہ جنات فصاحت میں انسان سے کم درجہ رکھتے ہیں۔

قرآن پاک کی ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ اس کا ایک کلمہ یا جملہ لے کر کسی دوسرے کلام میں شامل کر دیا جائے تو وہ سامعین کے دل و دماغ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ اس کی رونق اور کشش باقی کلام سے الگ اور زیادہ دکھائی دے گی اور وہ اس طرح ممتاز دکھائی دے گا جس طرح ہار میں در یگانہ ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر قرآن پاک کو معجز قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ وجوہ نہ ہوتیں تو فصاحت و بلاغت کے بڑے بڑے دعویدار دم بخود نہ ہوتے، بلکہ فوراً مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کرتے ہیں۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ فصاحت و بلاغت کے بڑے سے بڑے مدعی کو قرآن پاک کا چیلنج قبول کرنے کی جرات نہ ہو سکی اور کسی نے اس سلسلے میں قدم نہیں اٹھایا، کیونکہ ان پر پہلی نظر میں ہی یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ ہم قرآن پاک کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہماری فصاحت کی قرآن پاک کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے البتہ عام آدمی کو غور کرنا پڑے گا۔

تب اسے معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے فصحاء قرآن پاک کے مقابلے میں بے بس ہیں اور اس کا مقابلہ ممکن نہیں ہوگا کہ بڑے بڑے فصحاء قرآن پاک کے مقابلے میں بے بس ہیں اور اس کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کافروں کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

لو نشاء لقلنا مثل هذا.

اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام ہم بھی بول سکتے ہیں۔

(الانفال ۸/۳۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن پاک کے سامنے بے بس محسوس نہیں کرتے تھے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے انہوں نے اپنے بارے میں جھوٹ بولا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ مقولہ ان کے عجز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر وہ قرآن کی مثل لانے پر قادر تھے، تو لے کیوں نہیں آئے؟ حالانکہ انہیں مسلسل چیلنج کیا گیا، جس کے جواب میں مسلسل سناٹا چھایا رہا۔

(اعجاز القرآن بر حاشیہ الاتقان ۱/۳۶، ۴۷)

امام علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام بارزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب انوار التحصیل فی اسرار التنزیل سے نقل کرتے ہیں کہ بعض اوقات ایک معنی کو متعدد الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے جن میں سے بعض دوسرے بعض سے زیادہ حسین ہوتے ہیں۔ اسی طرح جملے کی دو جزؤں میں سے ایک جزء کو ایسے فصیح ترین لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو دوسری جز کے مناسب ہوتا ہے۔

اس کے لئے جملوں کے معانی کا حاضر کرنا اور ان کے مطابق تمام الفاظ کا حاضر کرنا پھر ان میں سے مناسب ترین اور فصیح ترین الفاظ کا اختیار کرنا ضروری ہے، اکثر حالات میں یہ امور انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ سب کچھ روشن ہے اسی لئے قرآن پاک احسن اور افصح کلام ہے، اگرچہ فصیح حسین اور احسن پر مشتمل ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"وجنی الجنتین دان"

اس کی جگہ

"ثمر الجنتین قریب"

کہا جاتا تو یہ اس کے قائم مقام نہ ہوتا کیونکہ

"جنی" اور "جنتین"

میں مجانست ہے۔ پھر لفظ

"ثمر"

اس بات کی نشاندہی نہیں کرتا وہ چننے کے حال کو پہنچ گیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ جملوں کے آخر میں تناسب قائم نہ رہتا۔

دوسری مثال دیکھئے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب"

آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، اس کی جگہ اگر تقرء لایا جاتا تو اس میں ہمزے کی وجہ سے ثقل ہوتا۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

لا ریب فیہ یہ لا شک فیہ.

سے احسن ہے کیونکہ کلمہ شک میں ادغام کی بنا پر ثقل پیدا ہو گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

(الاتقان ۲/۱۲۵)

قرآن پاک کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس وقت دنیا میں لاکھوں افراد قرآن پاک کے حافظ موجود ہیں، جب کہ دوسرے ادیان کا کوئی فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اپنی پوری کتاب حرف بحرف یاد ہے۔

ایک آریہ پنڈت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ میرا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ مجھے آپ کی کتاب (قرآن پاک) کے پندرہ پارے یاد ہیں، آپ کو میری کتاب کے دو ورق بھی یاد نہیں ہیں، صدر

الا فاضل نے فرمایا: یہ میری کتاب کا معجزہ ہے کہ وہ دشمن کے سینے میں بھی اتر گئی ہے، تیری کتاب کی ناکامی کا یہ عالم ہے کہ خود تجھے بھی اس کے دو ورق یاد نہیں ہیں۔ یہ جوائنٹ تمہارے حق میں نہیں بلکہ خلاف جاتا ہے۔

دس بارہ سال کے کئی بچے آپ کو حافظ قرآن مل جائیں گے، درج ذیل سطور میں دو بچوں کا تعارف دیا جا رہا ہے جو اعجاز قرآن کے چلتے پھرتے گواہ ہیں۔

ا۔۔۔۔۔اگست 1992ء سرہند شریف امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس مبارک میں راقم کو شرکت کی توفیق ملی۔ وہاں کلیر شریف کے قریب واقع موضع رڑکی کے ایک صاحب خلیفہ الرحمن سے ملاقات ہوئی ان کے ساتھ ان کا صاحبزادہ ابوبکر بھی تھا جس کی عمر پانچ سال سے کم تھی اس کے باوجود وہ (محض بحفظ) لبی حافظ قرآن تھا۔ اس نے سورۂ عم یتساءلون پڑھ کر سنائی۔

۲۔ اس وقت میرے سامنے "مجلۃ اللواء الاسلامی" قاہرہ کا شمارہ ۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء ہے جس میں رپورٹ دی گئی ہے کہ "شیخ محمود" کی عمر دس سال ہے، انہیں نہ صرف قرآن مجید تفسیر کے ساتھ یاد ہے بلکہ انہیں صحیح بخاری شریف کی سات ہزار حدیثیں بھی یاد ہیں، چھ سال کی عمر میں انہوں نے قرآن پاک یاد کر لیا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور قرآن پاک کا معجزہ ہے۔

مسلمانوں کی بے عملی اور عمل سے بے رغبتی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے۔ عیسائیوں کے پوپ پال نے چند سال پہلے ایک سروے کے نتیجے میں دعویٰ کیا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بائبل ہے، بعد میں انہوں نے تسلیم کیا کہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے۔

قرآن پاک کو بڑے اہتمام سے شائع کرنا چاہیے، کاتب پبلشرز اور بائینڈرسب باوضو ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لا یمسہ الا المطھرون اسے صرف پاک لوگ چھوئیں، کاغذ عمدہ، طباعت اور بائینڈنگ عمدہ ہونی چاہیے۔

آپ مکتبوں اور دفتری خانوں میں جا کر دیکھ لیں آپ کو پتا چلے گا کہ قرآن پاک بڑی وافر تعداد میں چھپتا ہے۔ بعض ادارے نہایت معمولی کاغذ پر چھاپ دیتے ہیں۔ چھپائی بھی معیاری نہیں ہوتی، اس کے باوجود پتا نہیں چلتا کہ یہ نسخے کہاں چلے جاتے ہیں دوسری کوئی کتاب ہو تو لوگ اسے خریدیں ہی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں۔ تو میں نے دریافت کیا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے "واعظین" ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور خود اپنی ذاتوں کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظین ہیں جو لوگوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جن کو خود وہ نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اور اس پر عمل نہیں کرتے۔

(مشکوۃ جلد ۲ ص ۴۳۸ بحوالہ شرح السنہ)

تبصرہ: لوگوں کو اچھی اچھی باتوں کا حکم دینا اور خود باتوں پر عمل نہ کرنا یہ بہت ہی معیوب بات اور گناہ کا کام ہے۔ قرآن مجید میں خداوند قدوس سے ارشاد فرمایا کہ:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ.

"یعنی کہ تم لوگ دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذاتوں کو بھلا بیٹھے ہو۔ حالانکہ تم لوگ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہو۔

ایک جگہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے لغو گو شعراء جاہلیت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا یَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ یعنی وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود وہ عمل نہیں کرتے۔ بہر حال اس دور کے ان مقررین کے لیے جو شریعت مطہرہ کی پابندی نہیں کرتے اس حدیث میں بہت بڑا عبرت کا سامان ہے۔ اور ایسی شدید وعید ہے کہ جس کو سن کر ہر مسلمان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آج کل کے واعظین کے مواعظ اور تقریروں میں جو اثر و تاثیر کی کمی ہو گئی ہے اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اکثر واعظین بے عمل بلکہ بدعمل ہو چکے ہیں۔

اس لئے ان کے وعظوں کے اثرات سامعین کے قلوب پر بہت کم پڑتے ہیں۔ اگر سلف صالحین اور پرانے بزرگان دین کی طرح دور حاضر کے واعظین بھی پیکرِ علم وعمل بن کر وعظ فرمائیں تو یقیناً ان کے مواعظ میں وہ تاثیرات رونما ہوں گی کہ لوگ سامنے جوشِ تاثر سے سر دھننے لگیں گے اور ان کی دنیاءِ دل میں وہ انقلاب پیدا ہو جائے گا وہ چشمِ زدن میں کامل الایمان اور صالح العمل بن جائیں گے۔ بزرگوں نے سچ فرمایا ہے کہ "از دل خیزد" بر دل ریزد" یعنی

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

لہٰذا مقررین اور واعظین سے نہایت ہمدردانہ اور مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ روزہ و نماز وغیرہ فرائض کی پابندی کریں۔ اور کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے عوام کے دلوں میں علماء کرام سے بدظنی اور بدعقیدگی پیدا ہو۔ کیونکہ کچھ بے دین و ملحدین اس کوشش میں لگے

ہوئے ہیں کہ عوام کو علماء کرام سے بدظن کر کے دین و مذہب سے بیزار کر دیں۔ اور انہیں لا مذہب کمیونسٹ بنا ڈالیں۔ یہ روسی حکومت کے ایجنٹوں کا مقصد اور نصب العین ہے۔

دوسرے تبلیغی اور وہابی جماعت کے لوگ اس تاک میں رہتے ہیں کہ سنی عالموں کی کچھ کمزوریاں انہیں مل جائیں تو وہ ان کا چرچا کر کے عوام کو سنی علماء سے بدظن کر کے، اور اپنے اعمال صالحہ کا ڈھنڈورہ پیٹ کر لوگوں کو وہابی بنا ڈالیں اس لیے ہمارے علماء اہلسنت کو چاہیے کہ وہ ان خطرات کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ اپنے اعمال و معاملات کی اصلاح کر لیں۔ تا کہ ان کا وجود عوام کے لیے باعث اصلاح اور موجب ہدایت بن جائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ چکر لگاتا اور ان انتڑیوں کو روندتا ہوگا۔ جس طرح گدھا اپنی چکی چلاتا اور اس کے گرد گھومتا رہتا ہے تو اہل جہنم اس کے پاس جمع ہو کر اس کہیں گے کہ اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کرتا تھا۔ تو وہ کہے گا کہ میں تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا مگر خود ان باتوں پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اور میں تم لوگوں کو بری باتوں سے منع کرتا تھا، مگر خود بری باتیں کیا کرتا تھا۔ یہ اس کی سزا ہے۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۳۶ بحوالہ بخاری و مسلم)

<u>تبصرہ</u>: یہ حدیث ان واعظوں کے لیے بہت بڑا تازیانہ عبرت ہے، جو گلا پھاڑ پھاڑ کر مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب کا وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ مگر خود کبھی کوئی نیک عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ لیکن خود رات دن انہیں گناہوں میں ملوث رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اہل علم واعظوں کو ہدایت دے اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر ان کو بھی عمل کی توفیق بخشے۔ اور جہنم میں چکی چلانے کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ (آمین) واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام فن پیچھے ہٹ گئے ہیں مطول ومختصر کو پڑھتے
صرف معانی میں جب کبھی بھی کلام شیخ الحدیث آیا

امام اہلسنت سیدی حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہ العزیز جس طرح علم وفضل ،زہد وتقویٰ ،اتباع سنت وشریعت میں اپنے زمانہ کے فرد یگانہ تھے اسی طرح حضرت ممدوح حدیث وفقہ کے مسلمہ امام اور تاجدار مسند تدریس تھے پورا درس نظامی مستحضر تھا جس فن میں پڑھاتے یوں محسوس ہوتا سب سے زیادہ اسی فن کے ماہر ہیں سیدنا حضور مفتی اعظم شہزادہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا'' ان (محدث اعظم) کے تیس سالہ حلقہ درس سے بالواسطہ ہزاروں علماء فیضیاب ہوئے'' فقیر بحیثیت مرید وشاگرد نہیں بلکہ مسلمہ اکابر اہل سنت خلفاء وتلامذہ و شہزادگان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ارشادات وفرمودات کی تلخیص کی روشنی میں عرض کر رہا ہے۔

علوم ومعارف سے بھرپور ان کے درس وتدریس کی یہ شان تھی کہ جس فن کی جو بھی کتاب پڑھاتے جہاں اس خاص فن پر تبصرہ فرماتے اور متن کے اسرار ورموز وحقائق پر سیر حاصل گفتگو فرماتے وہاں بہرنوع بہرصورت عظمت شان رسالت ﷺ اور عقائد اہل سنت کی حقانیت پر بھرپور تبصرہ فرماتے ۔حضرت علامہ ابوداؤد محمد صادق صاحب قادری رضوی دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ

ایک بار میراث کی معروف کتاب سراجی پڑھا رہے تھے پڑھاتے پڑھاتے عظمت شان رسالت ﷺ کا بیان ہونے لگا اور پھر خیال آیا تو فرمایا مسئلہ تو میراث کا بیان ہو رہا تھا مگر یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم کہ عظمت شان رسالت ﷺ کا بیان ہونے لگا طلباء سے فرمایا پڑھو۔

بو د در جہاں ہر کسے را خیالے
مرا از ہمہ خوش خیال محمد ﷺ

دار الحدیث عارف جامی علیہ الرحمۃ کے کلام سے گونجنے لگا۔ (سبحان اللہ)

حضرت سیدی آقائے نعمت محدث اعظم پاکستان قدس سرہ کو شرح جامی تک کتب خود شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدنا حضور حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب بریلوی ،تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب قدس سرہ نے پڑھائیں۔اور آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور پھر درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے علم وفضل کے قطب الاحد صدر الصدور صدر الشریعت استاذ الاساتذہ علامہ محمد امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت وحاشیہ شرح معانی الآثار طحاوی شریف کی خدمت میں دار الخیر اجمیر شریف جامعہ معینیہ عثمانیہ میں حاضر ہوئے آپ نے مستقبل کے محدث اعظم وشیخ الحدیث کی جودت ذہن کو پہچان لیا تھا کہ ہونہار طالب علم اپنے وقت کا فن

تدریس کا یکتا امام و تاجدار اور جامع معقول و منقول ہوگا لہٰذا آپ کی تعلیمی تعمیر اس نہج پر فرمائی کہ جیسے مرکز اہلسنت بریلی شریف میں تدریس وافتاء کی ذمہ داریاں اس کے سپرد کی جانے والی ہوں آپ کے استاذ محترم سیدنا صدر الشریعہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہاری درس نظامی کی ایک کتاب بھی رہ جائے اور پھر مختلف کتب درسیہ کا تکرار در تکرار سیدی حضور محدث اعظم پاکستان اپنے زمانہ طالب علمی میں پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان قدس سرہ کے بہت سے استاد بھائی آپ کے شاگرد بھی ہیں اس طرح آپ ایک پختہ کار کہنہ مشق عبقری مدرس بلکہ ہندو پاک تاجدار مسند تدریس بن گئے۔

سیدی محدث اعظم کا تحصیل علوم کا ذوق ایسا تھا کہ اور طلباء رات کو سوتے اور آرام کرتے اور حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ محلہ سوداگراں کی گلی میں لگی ہوئی بلدیہ کی لالٹین (لیمپ) کے سامنے کھڑے ہوکر کتاب ملاحظہ فرمارہے ہوتے اس زمانہ میں دارالعلوم منظر اسلام میں بجلی نہیں تھی۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدنا سرکار مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب قدس سرہٗ آپ کے زمانہ طالب علمی پر اس دردناک انداز میں تبصرہ فرماتے تھے کہ دل پر چوٹ لگتی تھی کہ "میں جب بھی مولانا سردار احمد صاحب کو دیکھتا کوئی نہ کوئی علمی درسی کتاب ہاتھ میں ہوتی مدرسہ میں مسجد میں آستانہ عالیہ رضویہ پر دارالافتاء میں جہاں بھی ہوتے کتاب ہاتھ میں ہوتی اور کتاب پر نظر ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے قابل قدر رفقاء تو فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف علاقوں میں مختلف مدارس و مساجد میں بھیج دیئے گئے اور سیدنا امام حجۃ الاسلام و سیدنا صدر الشریعت و حضرت مفتی اعظم و حضرت صدر الافاضل قدست اسرار ہم نے آپ کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد پہلے سال ہی مرکز اہل سنت یادگار اعلیٰحضرت دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام میں مدرس دوم مقرر فرمادیا آپ نے درسی کتب کو اس مہارت و محنت و مشقت و جانفشانی سے پڑھایا کہ آپ کی جلالت علمی کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور طلباء کے دلوں میں گھر کر گئے ہر طالبعلم کی یہ خواہش ہوتی کہ میرے اسباق مولانا محمد سردار احمد صاحب کے پاس ہوں۔ حالانکہ بعض وہ مدرسین بھی تھے جو سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے عہد حیات ظاہری سے دارالعلوم منظر اسلام میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے فن تدریس میں آپ کی مہارت تامہ کو دیکھ کر حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ نے آپ کو ناظم تعلیمات بنادیا ایک بار آپ دارالعلوم منظر اسلام میں "حمد اللہ" درسی کتاب پڑھارہے تھے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدنا حجۃ الاسلام قبلہ تشریف لے آئے اور چھپ کر آپ کا انداز تدریس ملاحظہ فرمانے لگے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا۔

اس ردیف قافیہ کے متعدد اشعار ارشاد فرمائے، اور اپنے صاحبزادے مفسر اعظم حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا جیلانی میاں سے فرمایا "جیلانی دیکھ لو مولانا سردار احمد صاحب نے کل کی بات ہے اسی مدرسہ میں "میزان" شروع کی تھی آج خود علم و فضل کے میزان نظر آتے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد دارالعلوم میں صدر المدرسین و شیخ الحدیث کے منصب اعلیٰ و مقام جلیلہ پر فائز کیا گیا اور چاردانگ ہند میں آپ کی شان تدریس کا ڈنکا بجنے لگا۔

۱۳۵۶ھ میں بعض ناگزیر حالات کے باعث بریلی شریف کی مرکزی جامع مسجد بی بی صاحب میں دارالعلوم مظہر اسلام کا قیام عمل میں آیا بہت سی ناگوار باتیں سننے میں آئیں مگر شہزادۂ اعلیٰحضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی صاحب نے بریلی شریف سے آپ کا

دوسری جگہ جانا گوارا نہ فرمایا۔ ایک بار آپ نے اپنے ضلع گورداسپور سے متصل جالندھر اور پھر ایک بار علاء سندھ میں اپنا دارالعلوم قائم کر کے تدریس و تبلیغ کا آغاز فر چاہا تو حضور مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ نے آپ کو کسی قیمت پر نہ جانے دیا بلکہ آپ کے استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ سے سفارش کرائی حضرت صدر الشریعہ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تحریر فرمایا۔ بریلی شریف ہم تمام اہلسنت کے لئے مرکز ہے اور وہ تقریباً کام کرنے والے سے خالی ہے وہاں کسی بلکہ کئی اچھے کارکنوں کی سخت ضرورت ہے میرا خیال ہے چھوٹے مولانا صاحب (مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خان) ہرگز تمہیں نہیں چھوڑیں گے...... میں مجبور نہیں کرتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تم خود غور کرو..... الخ

"حیات مفسر اعظم" مولانا محمد ابراہیم رضا جیلانی علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری میں ہے۔ "دارالعلوم مظہر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد صاحب جیسے لائق و فائق مدرسین کی وجہ سے بام عروج پر تھا۔" مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ امجدیہ اوری کا بیان ہے کہ حضرت مفتی اعظم مدظلہ نے فرمایا۔ اگرچہ مولانا سردار احمد صاحب کو میں نے پڑھایا مگر آج وہ اس مقام پر تھے کہ مجھے پڑھاتے"۔ (نوری کرن محدث اعظم نمبر)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ شہر الور انڈیا سے بریلی شریف حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ کو اپنے مکتوب میں اپنے خلف اصغر مولانا حماد رضا نعمانی میاں علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مولا تعالیٰ آپ کے علوم و فیوض کے دریا سے عامہ اہل سنت کو مستفیض فرمائے نعمانی سلمہ کی تعلیم و تربیت تہذیب و اخلاق کی طرف توجہ فرمائی فقیر کے لئے احسان منت ہے"۔ خلیفہ و برادرزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ حسنین رضا قدس سرہٗ نے اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا سبطین رضا خان اور علامہ تحسین رضا خان صاحب کو تحصیل علم کے لئے حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ کے سپرد فرمایا اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا خان صاحب جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادہ علامہ محمد ریحان رضا خان صاحب کو تحصیل علم کے لئے لائل پور بھیجا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آپ کی شان تدریس کا تذکرہ اپنے منظوم احساسات میں یوں فرمایا ہے۔

دس برس کی تھوڑی سی مدت میں ۔۔۔ وہ علم کا دریا بہتا جاتا رہا
اٹھ گیا دنیا سے استاذ شفیق ۔۔۔ مایۂ لطف و عطا جاتا رہا
اس زمانے کا محدث بے مثال ۔۔۔ جس کا ثانی ہی نہ تھا جاتا رہا
مر گیا فیضان جس کی موت سے ۔۔۔ ہائے وہ فیض اتنا جاتا رہا

حضرت سیدنا مفتی اعظم لوح تاریخ وصال کے زیر عنوان اپنے ایک طویل تاریخی مضمون میں رقم طراز ہیں "فہیم عصر مدرس بے مثال حاوی فروع محقق معقول و منقول ذکی و محدث باکمال، ہر جملہ سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

☆...... محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے دورہ حدیث شریف پڑھنے والے ایک طالب علم کے خط کے جواب میں فرمایا۔ " آپ وہاں (پاکستان میں) دورہ حدیث شریف جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور میں کریں یا پھر حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب کے مدرسہ حزب الاحناف لاہور، ان دونوں جگہوں پر دورہ حدیث شریف کرانے والوں سے مجھے پوری واقفیت ہے۔

☆...... حافظ ملت حافظ عبد العزیز بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ نے فرمایا حضرت موصوف (محدث اعظم) علم و فضل کے آفتاب تھے، زہد و تقویٰ کے ماہتاب تھے۔ ہر کمال کے جامع تھے علامہ زماں تھے استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ

الرحمۃ کے ارشد تلامذہ سے تھے علم وفضل زہد وتقویٰ میں حضرت قبلہ صدر الشریعہ کے صحیح جانشین تھے، جامع معقول ومنقول تھے بلا مبالغہ آپ بخاری زماں تھے۔ آپ کے درس وتدریس و درس حدیث کو امتیاز وخصوص حاصل تھا فن حدیث میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے تیس سالہ درس وتدریس سے ہزاروں تشنگان علوم سیراب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے جید علماء ہیں۔

☆ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار دورہ حدیث شریف کے دوران حاضر ہوئے آپ کا انداز تدریس دیکھ کر چشم اشکبار کہنے لگے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی دورہ حدیث شریف میں آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو جاؤں حضرت محدث اعظم نے فرمایا کہ نہیں آپ نہیں اپنے صاحبزادہ صاحب کو بھیجیں۔ ملخصا

☆ شارح بخاری فقیہ کبیر علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی آپکے نامور وارشد تلامذہ میں سے ہیں آپ کے درس حدیث کی شان یوں بیان کرتے ہیں ”خود ہمیشہ باوضو پڑھاتے طلباء کو باوضو رہنے کی تاکید فرماتے درس حدیث کے وقت عمامہ وشیروانی ضرور ہوتی۔ چھ چھ سات سات گھنٹے مسلسل بیٹھ کر پڑھاتے کبھی مسند تکیہ وغیرہ سے ٹیک نہ لگاتے درمیان درس حدیث بڑے سے بڑا آجائے درس حدیث قطع نہ فرماتے عام حدیث پڑھانے والے اپنا سارا زور بخاری اور ترمذی میں دکھاتے ہیں مگر آپ کا یہ دستور تھا صحاح ستہ میں جو حدیث آجاتی اس پر سیر حاصل تقریر فرماتے بامحاورہ ترجمہ لغات کی تشریح مطلب باب کے ساتھ مطابقت حدیث کی کیفیت صحیح ہے کہ حسن ہے کہ ضعیف، مستخرجہ مسائل کی تشریح اپنے مذہب حنفی کے مطابق ہے تو اس کی تائید مزید میں دلائل ورنہ پھر اپنے مسلک مدلل اثبات اور خلاف دلائل کے جوابات راویوں کی ضروری تعدیل وتجریح اہم نکات ودقائق تعارض کی صورت میں تطبیق اور دل نشین تاویل طلباء کے سوالات کے جوابات“۔۔ میں نے [illegible] میں دورہ حدیث پڑھا بہت سے طلبا دیوبند سہارنپور سے آئے تھے۔

☆ آپ کے ایک اور نامور تلمیذ رشید علامہ مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی المحدث اوری اعظم گڑھ کہتے ہیں۔ ”حضرت جب بھی کسی حدیث پر نقد ونظر جرح وتعدیل شرح وبسط فرماتے تو دل ودماغ کا ایک ایک گوشہ سراپا توجہ بن جاتا اختلاف مذاہب کی تشریح کے بعد مذہب حنفی کے استدلالات وبراہین کی تشریح اسی انداز سے فرماتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تاریک نہ رہ جاتا۔ جلالۃ العلم حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا تھا کہ مولانا سردار احمد صاحب عدل العلم (علم کی گٹھری) ہیں ایک مرتبہ سفر سے تشریف لائے ابھی مدرسہ کے وقت کے کچھ گھنٹے باقی تھے ہم نے سامان کمرہ میں رکھ دیا حضرت نے کمرہ کا رخ نہ کیا اور سیدھے درس گاہ میں رونق افروز ہوئے اور عبارت پڑھنے کا حکم فرمایا چہرہ صعوبت سفر سے کملایا ہوا تھا، نہ آرام فرمایا نہ کھانے پینے کی طرف متوجہ ہوئے درس حدیث شروع ہو گیا (سبحان اللہ) یہی حال یہاں پاکستان میں تھا کہ جب احباب دعوت دینے حاضر ہوتے تو فرماتے بندہ خدا اسی (۸۰) طلباء درجہ حدیث میں ہیں کتنی کتنی دور سے تحصیل علم کے لئے آئے ہیں مجھے زیب نہیں دیتا کہ ان کو چھوڑ کر دعوتیں کھاتا پھروں جب کبھی انتہائی مجبوری میں کہیں جانا ہوتا تو رات کو ہی درس حدیث شروع ہو جاتا طلباء سے ٹائم پوچھتے طلباء نیند کرنے لگتے تو فرماتے بندہ خدا!! ابھی تو ایک ہی بجا ہے۔ سبحان اللہ جرأت واستقامت اور دلیری کے ساتھ مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ وترویج کی ہدایات فرماتے ایثار کے ساتھ بے لوث تبلیغ دین کا درس دیتے۔ سبحان اللہ

تحریک آزادی میں علمائے اہلسنت کا کردار

مولانا سرفراز احمد

ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت اور ان کی تعمیری ترقی کی بے شمار نشانیاں بھی موجود ہیں اور انگریزوں کے ظلم و ستم کی ایک خونی داستان بھی خصوصاً مغلیہ حکومت کا وہ دور کیسے بھلایا جاسکتا ہے جس وقت ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، امن و آشتی، عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔ اچانک جہانگیری دور ۱۶۰۰ء میں ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تجارت کی غرض سے آنے والی یہ قوم اپنے ذہن ودماغ میں ہندوستان پر اپنی حکومت واقتدار کا منصوبہ لے کر آئی تھی۔ ۱۷۰۷ء میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہوا۔ مسلمان بادشاہوں کی آپسی رنجش وعداوت اختلاف وانتشار اور ان کی عیش پرستی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے ہندوستانی سیاست میں اپنے خونخوار پنجے گاڑنا شروع کر دیے۔

۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اسی سازش کا نتیجہ اور اسی منصوبے کی ایک اسکیم تھی، جس کے ذریعے اس شاطر وعیار قوم نے تجارت کے نام پر مختلف ریاستوں پر حملہ کر کے انھیں اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ ۱۷۵۶ء میں کلکتہ پر قبضہ ہوگیا۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں میر جعفر کو حکومت واقتدار کا لالچ دے کر نواب سراج الدولہ کے خلاف سازش پر آمادہ کیا اور اسی سازش کے تحت نواب سراج الدولہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ۱۷۵۸ء میں اسی میر جعفر کے سبب شاہ عالم کو تخت سے محروم ہونا پڑا۔ ۱۷۶۴ء میں بکسر کے مقام پر ہندستانی فوجیوں کو شکست ہوئی، اور انھوں نے لڑتے لڑتے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا۔

۱۸۵۶ء میں نواب اودھ واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا، اور ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے اٹھنے والا انقلاب دلی تک پہنچا، مگر شومی قسمت کہ فتح انگریزوں کو حاصل ہوئی اور نہایت شان وشوکت کے ساتھ برطانوی سامراج کا جھنڈا دہلی کے لال قلعہ پر لہرانے لگا۔ آخر وہ کیا اسباب تھے کہ جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کو غلامی ومحکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑا، وہ کون لوگ تھے جنھوں نے انگریزوں کی وفاداری میں اپنے مذہب اور وطن کا سودا کرنا منظور کیا۔ اور وہ کون تھے جنھوں نے وطن عزیز کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ مگر مذہب وملت کا سودا کسی صورت گوارہ نہ کیا۔ ہمیں تاریخ کی روشنی میں دونوں گروہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ اور اپنی آنکھوں سے تعصب وعناد کا چشمہ اتار کر حقیقت کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس سے کیسے انکار ہوسکتا ہے کہ ہندوستان پر مکمل اقتدار و حکومت کے لیے انگریز مسلمانوں کو ختم کردیا اور اسلامیات سے دور کرنا ضروری سمجھتے تھے، اس لیے کہ انھیں معلوم تھا کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جن کے قلوب عشق رسول ﷺ سے معمور اور جذبہ جہاد سے سرشار ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والی قوم اپنے تن من دھن کی قربانی تو دے سکتی ہے مگر اسلام کی بقا وتحفظ کی خاطر اور وطن عزیز کی محبت میں کسی صورت انگریزی سامراج کے سلطنت و

اقتدار کے ماتحت رہنا گوارہ نہیں کر سکتی۔ چونکہ انگریزوں نے یہ ملک مسلمانوں سے چھینا تھا، اس لیے انھیں صرف مسلمانوں سے خطرہ تھا، نتیجۃً مسلمانوں کے کسی فرد کا باقی رہنا وہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے، لیکن ماضی کی حقیقت بھی ان کے سامنے تھی کہ اسی قوم کے جیالوں نے ہر میدان جنگ میں مخالفین اسلام کو شکست سے دوچار کیا تھا جن کی تلواروں نے کتنے اعدا کے سر قلم اور جن کے نیزوں نے کتنوں کے سینے چھلنی کر دیے تھے، موت سے بے خوف یہ قوم اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے اور مالک حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لیے اپنا سر پیش کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ ماضی کی جنگوں سے انھیں یہ سبق مل چکا تھا کہ اس قوم کو میدان جنگ میں شکست دینا آسان نہیں ہے۔ اس لیے اوّلاً ان کے دلوں سے اور ذہنوں سے جہاد کی اہمیت ختم کر دی جائے اور ان کے عقائد کو تبدیل کر دیا جائے، معاشی اور مذہبی اعتبار سے انھیں پست و کمزور بنا دیا جائے، عیسائی تہذیب و تمدن ان میں عام کر کے اس تہذیب کا اس قدر دلدادہ بنا دیا جائے کہ وہ اسلامی تہذیب کو بھول کر اسلامی صحیح تعلیم سے جاہل و نا آشنا ہو جائیں۔ لیکن ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ کسی ایسے مسلمان کو تلاش کیا جائے جو بظاہر عالم بھی ہو کسی اونچے خاندان کا فرد بھی ہو، تا کہ لوگ اس کی باتوں کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ کرتے ہوئے اس کی باتوں کو قبول کر لیں، اور جو انگریزوں کے منشاو مقصد پر پورا کھرا اترتا ہو۔ انگریزوں نے اس مرد سلیم و نادان کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل اور ناجائز منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ جس نے مسلمانوں کے اعتقادات و نظریات پر حملے کر کے ان کے جذبات کو مجروح کیا۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے "تقویۃ الایمان" کے نام سے شائع کیا، جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر، بڑا بھائی، گاؤں کا چودھری، چمار سے زیادہ ذلیل لکھا۔ آپ کے اختیارات و تصرف کا انکار کیا، آپ کی شفاعت کا انکار کیا۔ آپ سے استمداد و استعانت کو شرک لکھا۔ (معاذ اللہ)

اس قسم کے بہت سے باطل عقائد مخالف آیات قرآنیہ و احادیث رسول و اجماع امت بیان کر کے امت مسلمہ میں اختلاف و انتشار اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیا۔ آیات قرآنیہ و احادیث رسول ﷺ کے غلط مفاہیم اور جہاد کی غلط تفسیریں بیان کر کے امت مسلمہ کو گمراہی کے چاہِ عمیق میں ڈھکیلنے کی ناپاک کوشش کی۔ انگریز کے اس خیر خواہ نے برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا۔ اور سرحد کے مسلمان پٹھانوں کے خلاف تلوار اٹھا کر ان سے جہاد کے لیے نکل پڑا۔ سرحد کے مسلمانوں کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ تقویۃ الایمان کے مذہب پر عمل نہیں کرتے تھے، ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ تیرہ سو صدی سے چلے آرہے اسلامی اعتقادات و نظریات کے قائل اور اسی پر عامل تھے۔ اللہ اور اس کے محبوب بندوں کی محبت انھیں تقویۃ الایمانی دین سے متنفر کر رہی تھی، ایسے مسلمان پٹھانوں کے خلاف اسماعیل دہلوی کا جہاد کرنا کتنا سنگین جرم ہے اور اس جرم نے اسے اس کے کیفر کردار تک پہنچایا، اور وہابی مذہب کا یہ قتیل پٹھانوں کے ہاتھوں سرزمین بالاکوٹ پر قتل کر دیا گیا۔

ایک طرف جہاں انگریز اسماعیل دہلوی جیسے نام نہاد علما کو دولت، جاہ حشمت اور اقتدار و حکومت کے ذریعہ خرید کر مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے اور ان کی بیخ کنی میں ہمہ تن مصروف تھے وہیں دوسری جانب حریت پسند مسلمان اور علمائے حق کی جماعت موجود تھی جو انگریزی حکومت کی سخت مخالف اور ان کے خلاف جہاد کو جائز سمجھتی تھی۔ اس جماعت نے صرف جہاد کو جائز ہی

نہیں سمجھا بلکہ اپنی استعداد و قوت کے اعتبار سے جہاد میں شریک ہوئے اور اپنی بہادری و جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ بہت سے لوگوں نے تختہ دار کو چوما کتنوں نے جیل کی سزائیں کاٹیں، بہت سے انگریزوں کے ظلم و بربریت کا نشانہ بنے۔ اور کتنوں کو جزیرۂ انڈمان میں (کالا پانی) کی سزائیں کاٹنی پڑیں۔ یہی وہ علمائے حق کی مبارک جماعت تھی، جس میں مجاہد جنگ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی، مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی عنایت احمد کاکوری مولانا وزیر خاں اکبر آبادی، مولانا وہاج الدین مراد آبادی، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مولانا امام بخش صہبائی دہلوی، مفتی سید کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا رضا علی خاں بریلوی، حافظ رحمت خاں روہیلہ وغیرہ مجاہدین آزادی شریک تھے جنھوں نے انگریزوں کے خلاف سر پر کفن باندھ کر جہاد کیا۔

اقبال فاروقی لکھتے ہیں: انگریز کے اقتدار کے زمانے میں برصغیر میں "انسانی عقائد کی آزادی" کے نام پر ایک تحریک چلی جس کو انگریزی گورنمنٹ آف انڈیا نے بڑی پشت پناہی کی انگریز دراصل اس "آزادی" کے پردے میں اسلامی تہذیب و تمدن خاص کر مسلمانوں کے عقائد پر یلغار کرنا چاہتا تھا۔ انگلستان سے بدزبان مشنری پادری درآمد کیے گئے جو اسلامی نظریات کو نشانہ تنقید بناتے اور کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ بعض پادری تو اتنے دریدہ دہن تھے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی سوقیانہ حملے کرتے مگر حکومت انھیں پورا تحفظ دیتی، پھر انگریزوں کی شہ پر اس کے بعض وظیفہ خوار مسلمانوں نے بھی "آزادی اظہار رائے" کی آڑ میں شان رسالت میں گستاخیاں شروع کر دیں۔

انگریزوں کے وظیفہ خوار کون تھے، اور کس نے آزادی اظہار رائے کی آڑ میں شان رسالت میں گستاخیاں کی اس کے تعلق سے بھی آگے گفتگو ہوگی لیکن سر دست ہمیں یہ بتانا ہے کہ انگریز عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں کس طرح کوشاں تھے کہ اپنے مذہب کی ترویج کے لیے پادریوں کے ساتھ تھانے سے چپراسی روانہ کیے جاتے تاکہ انھیں اپنے مشن میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور اسکول ہو خواہ جیل خانہ ہر جگہ عیسائیت کی جانب لوگوں کو راغب کرنا انھوں نے اپنا مشغلہ بنالیا تھا انگریزوں کی اس سازش کے تعلق سے سرسید خاں کی یہ تحریر ملاحظہ کیجیے۔

عیسائی مبلغ اسکولوں میں، بازاروں میں، شفاخانوں میں غرض جس جگہ موقع ملتا تبلیغ کرنے لگتے تھے ان کے طریقہ کار سے معلوم ہوتا تھا کہ حکومت کی اعانت ان کو حاصل تھی۔ بعض اضلاع میں پادریوں کے ساتھ ساتھ تھانے سے چپراسی جاتے تھے، اور یہ پادری غیر مذہب کے "مقدس لوگوں" کو اور مقدس مقاموں کو بہت برائی اور ہتک سے یاد کرتے تھے۔ جس سے سننے والوں کو رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی، گورنمنٹ اسکولوں میں انجیل کی لازمی تعلیم دی جاتی تھی، اور جیل خانوں میں عیسائیت کی طرف راغب کیا جاتا تھا۔

دین و مذہب میں دخل اندازی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ ۱۸۰۶ء میں جارج بارلو نے (ہندو) سپاہیوں کے تلک لگانے اور (مسلمانوں) کے داڑھی رکھنے اور صافہ باندھنے پر اعتراض کیا اور پادری ای ایڈمنڈ نے پورے ملک میں ایک رسالہ جاری کیا۔

اب ہم ان مجاہدین کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی محنتوں اور کاوشوں نے انگریزوں کے ناپاک عزائم کو کامیاب نہ ہونے دیا، اور آخر کار ان مجاہدین کی سرگرمی کے نتیجے میں انگریزوں کو یہ ملک چھوڑ کر جانا پڑا۔

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی: آپ جنگ آزادی

کے سرخیل کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، اور آپ نے ہی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، جس پر بہت سے علماء نے اپنے دستخط کیے ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ بتیس واسطوں سے سلسلہ نسب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے ۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء میں تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون سے فارغ ہوگئے۔ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے اٹھنے والے انقلاب میں جب ہندستانی فوجی دلی پہنچے اور انھوں نے سلطنت مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو اپنا بادشاہ بنایا اور آزادی وطن کے لیے انگریزوں سے ٹکرا گئے اس وقت علامہ ''الور'' میں تھے، وہاں سے آپ فوراً دلی پہنچے اور بادشاہ سے پرانے تعلقات کی بنیاد پر آپ کے خصوصی مشوروں کو خطوط لکھے گئے۔ آپ ہی نے سلطنت کا دستور العمل مرتب کیا، فوجیوں اور شہریوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف بناتے رہے، اور وقتاً فوقتاً شاہی فوج کی کمان بھی کرتے۔ بادشاہ نے ایک کنگ کونسل قائم کی تھی جو تین ارکان پر مشتمل تھی، جنرل بخت خان روہیلہ، مولانا سرفراز علی شاہ جہاں پوری اور مولانا فضل حق خیر آبادی۔

(۲) **مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی** ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، چودہ سال کی عمر میں علوم عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کے بعد تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ تبلیغ اسلام اور ردعیسائیت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ ۱۸۵۶ء میں آگرہ کے اندر پادری فنڈر سے مناظرہ میں مولانا ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی اور مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی پیش پیش تھے۔ آپ ہی کی کوشش و جدوجہد سے آگرہ کی جامع مسجد کی اصلاح و مرمت ہوئی اور یہ مسجد دینی وعلمی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ اکابرین تحریک آزادی سے آپ کے خصوصی روابط تھے ۱۸۵۷ء میں انقلاب کے بعد بہادر شاہ ظفر کے اعلان خودمختاری کے لیے دلی پہنچے اور آپ کے اور جنرل بخت خاں کے مشورے سے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ جہانی جامع مسجد دلی میں بعد نماز جمعہ جہاد پر ولولہ انگیز تقریر فرمائی، اور علامہ کے مرتب کردہ فتویٰ جہاد پر دیگر اکابر کے علاوہ آپ نے بھی دستخط فرمائے۔ دلی میں ناکامی کے بعد مولانا احمد اللہ مدراسی اور جنرل بخت خاں کے ساتھ لکھنؤ آئے اور مختلف جنگوں میں حصہ لیتے ہوئے شاہ جہاں پور پہنچے اور آپ کی تجویز سے مولانا احمد اللہ مدراسی نے مجاہدین کا ایک دستہ بدایوں روانہ کیا، اور قصبہ محمدی ضلع شاہ جہاں پور پر مجاہدین کی حکومت قائم ہونے کے بعد آپ اس کے ایک ذمہ دار رکن قرار پائے لیکن مولانا احمد اللہ مدراسی کی شہادت کے بعد آپ روپوش ہوگئے یا شہید ہوئے اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

(۳) **سید احمد اللہ شاہ مدراسی**: آپ ۱۲۰۴ھ میں بمقام چنیاپٹن تعلقہ پونالی ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے آپ علم جہاد بلند کرتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دلی پہنچ کر تحریک آزادی کے قائد کی حیثیت سے جنرل بخت کے دست راست رہے اور آگرہ، کان پور، فیض آباد وغیرہ پہنچ کر مجاہدین کے سینوں میں آزادی کی روح پھونکتے رہے اور میدان جنگ میں مجاہدین کے شانہ بشانہ خود بھی سپہ سالار کی حیثیت سے لڑتے رہے ۲۰/ذوقعدہ ۱۲۷۴ھ/جون ۱۸۵۸ء میں بمقام شاہ جہاں پور جام شہادت نوش فرمایا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے معرکوں میں شریک انگریز افسر جنرل ٹامس آپ کی شجاعت وبہادری کا اس طرح اعتراف کرتا ہے، مولوی احمد اللہ مدراسی بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا، وہ ایسا شجاع

تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا، یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا باغیوں میں اس سے بہتر سپاہی نہ تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کیمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا وہ نصرت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔

(۴) مفتی عنایت احمد کاکوروی : آپ ۹ رشوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۵/ اکتوبر ۱۸۱۳ء دیوہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے رام پور، دہلی اور علی گڑھ میں تعلیم مکمل کی۔ زمانہ قیام بریلی انقلاب ۱۸۵۷ء کی حریت پسندوں کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ان کی مشاورتی نشستوں میں شامل ہوتے اور بعض جنگوں میں عملی طور پر حصہ لیتے رہتے۔ ۹/ جون ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں اور مولانا سرفراز علی شاہ جہاں پوری کی قیادت میں رام پور پہنچنے والے مجاہدین کے سرفروش قافلے کے مفتی صاحب بھی ہم رکاب تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی کوششیں سرد پڑنے کے بعد بریلی مراد آباد وغیرہ متعدد مقامات پر انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ کے جرم میں گرفتار کر کے کالا پانی بھیج دیا گیا جہاں پہلے ہی سے علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی مظہر کریم دریا آبادی موجود تھے، اسی زمانہ میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا، علم الصیغہ اور تواریخ حبیب الہ کتابیں لکھیں۔ تقویم البلدان کا ترجمہ کیا۔ ۱۲۷۷ھ میں رہائی ملی اور ۱۷ رشوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷/ اپریل ۱۸۶۳ء دوران حج جدہ کے قریب جہاز کے ایک پہاڑی چٹان سے ٹکرا کر غرق ہو جانے کے سبب آپ بحالت نماز، احرام باندھے ہوئے شہید ہو گئے۔

(۵) مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی : آپ بھی تحریک آزادی کے بانیوں میں سے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے آپ کو لارڈ گورنر بنایا تھا۔ مرشد آباد بنگال اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی، عبرانی اور یونانی زبان سیکھی، ہندوستان واپسی کے بعد کلکتہ کے ایک بڑے اسپتال میں سرجن مقرر ہوئے۔ مولانا احمد شاہ مدراسی کی قائم کردہ مجلس علماء کے آپ ایک سرگرم ممبر ہوئے۔ ۱۸۵۳ء میں جب پادری فنڈر تبلیغ نصرانیت کے لیے ہندوستان آیا اور آگرہ پہنچ کر مجلس علماء کو مناظرہ کا چیلنج کیا تو مولانا وزیر خاں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اعانت کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو مدعو کیا۔ رجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں یہ مناظرہ ہوا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مناظر اوّل اور مولانا وزیر خاں مناظر دوم قرار پائے۔ ان حضرات کے ساتھ مولانا فیض احمد عثمانی اور دیگر علماء عمائدین شہر تھے۔ اس مناظرے میں پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا رحمت اللہ کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو آپ حجاز مقدس پہنچے اور ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مولانا رحمت اللہ کا انتقال حجاز میں ہی ہوا۔

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی آگرہ میں رہ کر انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے پھر مولانا فیض احمد بدایونی کو لے کر دہلی پہنچے اور مقبرۂ ہمایوں سے بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور دہلی پر انگریزوں کے مکمل قبضے کے بعد جنرل بخت خاں کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ لکھنؤ پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد شاہ جہاں پور پہنچے۔ ۱۸۵۸ء میں مولانا احمد شاہ مدراسی کی شہادت کے بعد حجاز مقدس پہنچے اور وہاں اپنے دوست رحمت اللہ کے یہاں مقیم ہوئے اور عمر طبعی پا کر فوت ہوئے اور پھر جنۃ البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

(۶) مولانا وہاج الدین مراد آبادی : آپ نے مراد آباد کی عوام میں جہاد حریت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے نہایت ہی اہم رول ادا کیا، نماز جمعہ کے بعد اپنی تقریروں کے ذریعہ حب الوطنی اور برطانوی استعمار سے آزادی کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔ آپ کی ان پر جوش تقریروں کا ہی اثر تھا کہ مراد آباد میں تحریک جہاد کو خوب فروغ

علماء اور رام پور کے پٹھان بھی اس تحریک میں حصہ لینے مراد آباد آنے لگے۔ پھر علاقہ روہیل کھنڈ پہنچ کر دیگر مجاہدین سے رابطہ قائم کیا۔ ۲۲ اپریل ۱۸۵۷ء میں جب انگریز فوجی افسر جنرل جانسن نے گورا پلٹن و گورکھا دستہ وغیرہ کے ساتھ مراد آباد پر حملہ کیا تو فیروز شاہ کی قیادت اور مولانا وہاج الدین مراد آبادی اور دیگر قائدین کی سربراہی میں مجاہدین نے شجاعت و جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہوئے انگریزوں کا منہ توڑ جواب دیا، آخر میں انگریزوں کے مراد آباد پر قابض ہونے کے بعد فیروز شاہ نے دہلی میں پناہ لی۔ مولانا بھی روپوش ہوگئے مگر مخبری کے بعد ایک مسلح دستہ کے ذریعہ آپ کا محاصرہ کرلیا گیا، اور آپ جاں بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(۷) مولانا لیاقت علی الٰہ آبادی: آپ سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے، مسلمانوں کے علاوہ سرکاری فوج پر بھی آپ کے اثرات تھے، انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد الٰہ آباد میں تحریک آزادی کی قیادت سنبھالی۔ مریدوں عقیدت مندوں اور محبین وطن کو خسرو باغ الٰہ آباد میں جمع کیا۔ بہادر شاہ ظفر کے نام کا سبز جھنڈا لہرایا، باتفاق رائے آپ الٰہ آباد کے امیر مقرر ہوئے۔ پھر ایک اشتہار کے ذریعہ عوام و محبین وطن کو انگریزوں سے جنگ کرنے اور ملک بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور انگریزوں کا جم کر مقابلہ کیا لیکن سازش و غداری کے نتیجے میں فوج کو شکست ہونے کے بعد الٰہ آباد سے لکھنؤ مولانا احمد اللہ مدراسی کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ ۱۸۵۹ء میں مولانا احمد اللہ کی شہادت کے بعد نیپال روپوش ہوگئے، اور وہاں سے گرفتار کرکے آپ پر مقدمہ چلایا گیا، اور جزیرہ انڈیمان (کالا پانی) بھیج دیا گیا اور وہیں پر کچھ دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔

(۸) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی: آپ ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تفسیر و حدیث اور منطق، فلسفہ کے زبردست عالم اور اپنے دور میں علم و فضل کے امام تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی کی مشہور زمانہ کتاب ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' کی آپ نے تصدیق فرمائی اور مقامات مقدسہ کی حاضری کے جواز پر ایک کتاب ''منتہی المقال فی حدیث لاتشد الرحال'' تصنیف فرمائی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بغاوت کے الزام میں آپ کو گرفتار کرکے آپ کے ذاتی کتب خانہ اور ساری جائیداد ضبط کرلی گئی۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں آپ کا وصال ہوا۔

(۹) مولانا امام بخش صہبائی دہلوی: آپ ہندوستان کے مشہور فارسی شاعر، مسلم الثبوت استاد باپ کی طرف سے فاروقی اور ماں کی طرف سے سید گھرانہ کے ایک باوقار فرد تھے، مرزا اسد اللہ خاں غالب سے گہری دوستی تھی۔ علامہ فضل حق، مومن خاں مومن، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ آپ کی فارسی کی قدر کرتے تھے انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی انگریزوں کے ظلم و ستم سے نہ بچ سکے۔ آپ کو آپ کے دونوں بیٹوں کے ساتھ جمنا کنارے لے جایا گیا اور وہیں گولیوں کا نشانہ بنا کر آپ کی لاش جمنا میں پھینک دی گئی۔

(۱۰) مفتی سید کفایت علی کافی مراد آبادی:
آپ حضرت شاہ ابوسعید مجددی رام پوری کے شاگرد نگینہ ضلع بجنور کے معزز سید گھرانہ کے فرد تھے منقولات و معقولات میں یگانہ روزگار تھے، بہترین نعت گو شاعر تھے۔ آپ برطانوی سامراج کے سخت مخالف تھے، بہادر شاہ ظفر نے دہلی بلا کر جہاد حریت سے متعلق آپ سے تبادلہ خیال کیا، جنرل بخت خاں اور مولانا احمد اللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر آپ نے جنگیں

کیں۔ ۲۵ راپریل ۱۸۵۸ء میں مرادآباد پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد ۶ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۳۰ راپریل ۱۸۵۸ء میں آپ کو گرفتار کر کے مقدمہ قائم کیا گیا۔ ر پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

(۱۱) مولانا رضا علی خاں بریلوی: آپ حافظ کاظم علی خاں کے قابل فخر فرزند مفتی نقی علی خاں کے والد مکرم اور مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے جد امجد ہیں۔ ۱۲۲۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، مولانا خلیل الرحمن ابن مولانا محمد عرفان رام پوری سے دینی تعلیم حاصل کی، فن شاعری میں مفتی صدر الدین آزردہ کے شاگرد تھے۔ آپ انگریزوں کے سخت مخالف اور بریلی کی جماعت مجاہدین کی پشت پناہی کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ گھوڑوں اور سامان رسد کے ذریعہ مجاہدین کو مدد پہنچاتے تھے، ہنگامہ میں انگریزوں کے تسلط کے بعد بھی آپ اپنے محلے میں اپنے مکان ہی میں رہے اور اس عالم میں بھی نماز پنجگانہ باجماعت مسجد میں ادا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انگریزوں کا مسجد کے پاس سے گزر ہوا اور وہ مسجد میں داخل ہوئے تا کہ اندر کوئی ہو تو اس کی پٹائی کریں مگر تلاش بسیار کے باوجود کوئی نہ ملا، حالاں کہ مولانا رضا علی خاں مسجد ہی میں موجود تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان انگریزوں کو بصارت سے محروم کر دیا تھا۔ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں آپ دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

علمائے اہل سنت کی قربانیاں کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں، یہی وہ مبارک جماعت تھی جو انگریزوں کے منصوبوں کے سامنے سد سکندری بن کر حائل ہوگئی اور ان کے ناپاک منصوبوں اور عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اعلائے کلمۃ الحق اور دین وملت کے تحفظ کے لیے کسی نے تختہ دار کو چوما، کتنوں کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کیا گیا، کتنوں کی لاشیں دریا برد کر دی گئیں، کتنوں کو کالے پانی کی سزا کاٹنی پڑی، کتنوں نے قید و بند کے آلام و مصائب کو برداشت کیا، کتنوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں، مگر ان مجاہدین و قائدین نے انگریزی حکومت کی غلامی و نوکری کو ناپسند کرتے ہوئے ان کے اقتدار اور جاہ و مرتبت کو ٹھکرا دیا۔

شہادت کی لذت نے ان کے قلوب کو بے خوف بنا دیا تھا، اسلامی تہذیب و تمدن پر عیسائی تہذیب و تمدن کو کسی صورت گوارا نہ کیا، نصاریٰ کی ناپاک اسکیموں کو بے نقاب کر کے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی، مسلمانوں کو قعر مذلت میں گرنے سے بچایا، ان کی اصلاح و فلاح و بہبود کے لیے مفید مشوروں سے نوازا، ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش فرمائی۔ اسلامی اعتقادات و نظریات میں رخنہ اندازی کرنے والوں کی سخت گرفت کرتے ہوئے تحریر، تقریر، مناظرہ کے ذریعے ان کی تردید فرمائی۔ کچھ ایسے بھی مؤرخین پیدا ہوئے جنھوں نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ حقیقی مجاہدین کے مجاہدانہ کارناموں کو یکلخت مٹا دینے کا ناپاک ارادہ کیا، دوسروں کو آزادیٔ ہند کا مجاہد بنا کر پیش کیا گیا۔ بشکریہ جہان رضا لاہور

عظیم المرتبت شیخ الحدیث و عالم و اکمل
ہے قائل اک جہاں سردار احمد کی قیادت کا
وہ عبدالمصطفیٰ، تخت دل امجد علی رضوی
ہے چرچا جامع ازہر میں جس کی قابلیت کا
ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی
ہے احسان مجلسِ احناف پر جس کی نظامت کا

معروف نعت خواں الحاج ثناء اللہ بٹ صاحب رضائے الٰہی سے پچھلے دنوں انتقال فرما گئے۔ احباب اہلسنت سے التماس ہے کہ مرحوم کی بلندی درجات کیلئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔
منجانب: انتظامیہ ماہنامہ امیر اہلسنت لاہور

حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی ایم۔اے

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء وہ معرکہ ہے جس میں برصغیر ہندوپاک کے علماء نے وطن عزیز کے تحفظ وبقا اور غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے عملا پیش قدمی کرتے ہوئے انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر ممکن سعی کی۔علماء کرام، مفتیان عظام نے درس وتدریس اور افتاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ جنگ آزادی میں عملا حصہ لیا۔اور اپنی تحریروتقریر سے بھی عوام میں جوش و جذبہ پیدا کیا، انہیں سرفروشوں میں مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی ہیں۔

جنہوں نے مسند علم وبزم سخن کو چھوڑ کر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔اور جام شہادت نوش کیا۔اس عظیم مجاہد آزادی کے جو حالات مل سکے ہیں وہ یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

ابتدائی حالات: آپ کا نام کفایت علی تخلص کافی ہے۔خانوادۂ سادات کے معزز و موقر رکن تھے۔سید مصطفیٰ علی بریلوی نے اپنی تالیف نواب خان بہادر خان شہید میں ان کو شیخ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"مولانا کفایت علی نسبا شیخ تھے، اور اپنے وقت کے جید عالم تھے، بحیثیت نعت گو وہ ایک اعلیٰ مقام کے مالک ہیں"۔

مولانا کی تاریخ پیدائش باوجود تلاش وجستجو کے حاصل نہ ہو سکی۔آپ نے ابتدائی تعلیم مرادآباد میں حاصل کی۔بدایوں اور بریلی میں بھی تحصیل کے سلسلے میں رہے۔شاہ ابوسعید مجددی رامپوری سے علم حدیث پڑھا۔مولانا کافی نے علم طب حکیم شیر علی سے حاصل کیا۔حکیم شیر علی کا تذکرہ علمائے ہند کے مولف مولوی رحمان علی کے والد تھے۔مولانا کافی حکیم شیر علی کی وفات پر جو تعریف لکھی ہے اس کو مولوی رحمٰن علی نے اپنی کتاب تذکرۂ علمائے ہند میں تحریر کیا ہے، جو اس طرح ہے۔

لو شیر علی نے کیا انتقال
تو کافی مناسب ہے بہر ثواب
یہی سال تاریخ لکھ دیجئے
بہ لوح لحد خادم بوتراب

۱۲۵۶ھ
۱۸۴۰ء

علم وفضل: مولانا کافی تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔خصوصاً علم طب، صرف، نحو اور شاعری ادب میں کمال حاصل تھا۔علم حدیث سے قریبی تعلق تھا۔شاعری کے سلسلے میں حکیم سید غلام قطب الدین باطن اکبرآبادی رقمطراز ہیں۔کافی تخلص مولوی کفایت علی نام مولف شمائل ترمذی، نسیم جنت، عالم بے بدل، دانائے دقائق احادیث وآیات، قابل فضیلت نحی اثبات کی کیا بات ہے۔بحث صرف ونحو میں بہر نحو صرف اوقات نظم کیا۔خوب ہے شائق کو مرغوب ہے۔

علم حدیث: مولانا کافی نے علم حدیث حضرت

شاہ ابو سعید مجددی رام پوری سے حاصل کیا۔ جو کہ سراج الہند حضرت عبد العزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے، اس طرح مولانا کافی کا سلسلہ تلمیذ صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے مل جاتا ہے۔ مولانا کافی کی شاعری مکمل طور پر عشق رسول ﷺ اور ذکر حدیث سے عبارت ہے۔ شغف حدیث کے سلسلے میں کافی سے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

اس صاحب معراج ﷺ کا مداح ہے کافی
اللہ بھی مشتاق ہے جس کا شب معراج

گل سے الفت اور نہ مجھ کو گلستاں سے اختصاص
ہے مگر مدح شفیع عاصیاں ﷺ سے اختصاص

زیارت حرمین شریف: مولانا کافی سچے عاشق رسول ﷺ تھے، مدینہ طیبہ کا ذکر ہر دم زبان پر رہتا۔ زیارت حرمین شریفین کی تڑپ سینہ میں مچلتی رہتی تھی۔ جس کا اظہار ان کے اشعار میں بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے، ملاحظہ ہو۔

ہے مدینہ زیارت کا جو کافی مشتاق
یہ ارادہ مرے یارب کبھی پورا ہوگا

بلا لو مدینہ میں کافی کو اب
ترا ہے گدا یارسول اللہ ﷺ

وجد کے عالم میں جاتا لوٹتا آنکھوں کے بل
دیکھ کر وہ گنبد خضریٰ مدینے کے قریب
ایک دم کے دم میں گر چاہے خدائے روزگار
اڑ کے پہنچے کافی مضطر مدینہ کے قریب

کافی یہ تمنا دلی ہے کہ دم مرگ
گر آہ جو کھینچوں تو کہوں ہائے مدینہ

آخر کار کافی مراد آبادی کی دعا کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ ان کی تمنا پوری ہوئی، اور مولانا کافی حج بیت اللہ کو گئے اور پھر مدینہ طیبہ اور روضہ اقدس پر بھی حاضر ہوئے۔

جنگ آزادی: روہیل کھنڈ کے عوام ہمیشہ سے آزادی پسند رہے، انہوں نے انگریزی اقتدار کو بھی پسند نہیں کیا۔ روہیل کھنڈ جس کا دار السلطنت بریلی تھا۔ انگریزوں کی حکومت کے خلاف بغاوت شروع ہوئی۔ روہیل کھنڈ میں اس کی سرپرستی امام العلماء مولانا رضا علی خاں اور قیادت نبیرۂ حافظ الملک نواب خان بہادر خاں کر رہے تھے۔ جنگ آزادی میں امام العلماء کی خدمات کے سلسلے میں مشعل راہ کے مصنف شفیع لکھتے ہیں۔

"انگریزوں کی بیخ کنی کے لئے جہاد کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں سرفہرست امام العلماء مولانا رضا علی خاں بریلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خان وغیرہ کے اسماء گرامی ہیں۔ فتاویٰ جہاد کی تشہیر کے بعد انگریزوں کے خلاف اقدام کرنے کیلئے جنرل بخت خان کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ امام العلماء مولانا رضا علی خاں بریلوی جہاد کمیٹی کے سرپرست تھے۔ جنرل بخت خان بہادر خان کبھی بھی امام العلماء کی ہدایت لئے بنا کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔

بریلی کے انقلاب نے مراد آباد کے مجاہدین میں بھی جوش وخروش پیدا کر دیا۔ مراد آباد میں مجاہدین جمع ہونے لگے مجاہدین کے رہنماؤں میں مولوی منو نواب مجد الدین عرف مجو میاں عباس علی خان، اسعد خان اور مولانا کفایت علی کافی وغیرہ تھے۔ جنہوں نے

انگریزی حکومت کے خاتمہ کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد
کے مجاہدین نے جیل خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں کو آزاد کرالیا۔ فوج نے
حکم ماننے سے انکار کردیا۔ اور مجاہدین کی فوجی طاقت کو مضبوط
کیا۔ قومی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ نواب مجد الدین خان عرف
مجومیاں کو حاکم مراد آباد بنایا گیا۔ نواب اسعد خان کے سپرد توپ خانہ
ہوا۔ مولانا کفایت علی کافی صدر الشریعہ مقرر ہوئے۔ آپ نے احکام
شرعی جاری کئے، ہر جمعہ مساجد میں جہاد کے لئے وعظ کئے جاتے
جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

جب بریلی اور مراد آباد میں انگریز مخالف مجاہدین کی
سرگرمیاں شباب پر تھی اور انگریز بھاگ کر نینی تال میں پناہ لے رہے
تھے۔ اس وقت انگریزوں کی ہمدردی ریاست رام پور میں روہیل
کھنڈ کے مشیر مسٹر الگزینڈر سے اجازت لیکر مراد آباد پر قبضہ کرلیا، اور
مسلمانوں کی قوت کو منتشر اور کمزور کردیا۔

فتویٰ آزادی: جب مراد آباد پر رام پور کی حکومت
قائم ہوگئی اس زمانہ میں مولانا کافی نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ
جہاد مرتب کیا اور نقول دیگر مقامات پر بھی روانہ کی گئیں۔ انہیں
مقامات پر مولانا کافی خود تشریف لے گئے۔ آنولہ بھی اس سلسلہ میں
تشریف لائے۔ آنولہ سے بریلی آئے، یہاں نواب خان بہادر خان
، مولوی سرفراز علی اور امام العلماء سے مشورے ہوئے۔ جنرل بخت
خان کی قیادت میں فوج دہلی جارہی تھی اس فوج کے ساتھ مولانا کافی
مراد آباد پہنچے۔ جب جنرل بخت خان کی فوج مراد آباد سے کوچ کرگئی
۔ تو نواب رام پور نے پھر مراد آباد پر قبضہ کرلیا۔ جنرل جونس کی آمد کی
خبر پاکر نواب رام پور نے مراد آباد جنرل جونس کے سپرد کردیا۔

مولانا کافی کے فتویٰ کی خوب تشہیر ہوئی، مسلمان انگریز
حکومت کے زبردست مخالف ہوگئے اور انگریز مسلمانوں کے جانی
دشمن بن گئے۔ کرنل گک نے شہر کی ناکہ بندی کر کے خانہ تلاشی اور
گرفتاری کا سلسلہ شروع کردیا۔ انگریز مولانا کافی کو مراد آباد کی
شورش کا ہیرو سمجھتے تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے مخبروں کے ذریعہ مولانا
کافی کی گرفتاری کی کوشش شروع کردی۔

مولانا کافی کی گرفتاری اور پھانسی

فخر الدین (کلال) نام کے ایک شخص کی مخبری پر مولانا
کفایت علی کافی گرفتار ہوئے۔ مولانا پر مختلف الزامات قائم کئے گئے
، ضابطہ کی معمولی کاروائی کے بعد پھانسی کا حکم ہوا۔ مولانا نے پھانسی کا
حکم پاکر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ اور جب مولانا کافی کو پھانسی دینے
کے لئے لے جایا جارہا تھا تو مولانا کافی بہت بلند آواز سے ترنم کے
ساتھ اپنی ایک تازہ غزل پڑھ رہے تھے جو درج ذیل ہے۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ ﷺ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیر باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خالی کفن رہ جائے گا
نام شاہان جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام و نشان پنجتن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک ﷺ کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مولانا سید کفایت علی کافی کو مراد آباد جیل کے پاس مجمع
عام کے سامنے پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا کی

تاریخ شہادت کے سلسلے میں متضاد بیانات ہیں۔طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کئے جارہے ہیں۔

مولانا محمد عمر نعیمی مرادآبادی کا بیان ہے کہ شہادت سے تقریباً ۴۰ سال بعد مولانا کافی کی قبر جو جیل کے قریب واقع ہے سڑک میں آگئی تھی، جس سے قبر کھل گئی دیکھا گیا جسم ویسا ہی رکھا تھا مولانا عمر نعیمی کے نانا شیخ کرامت علی ٹھیکیدار نے جسم مبارک کو دوسری جگہ عقب جیل دفن کرادیا تھا۔قبر تا ہنوز محفوظ ہے۔

مولانا کافی کی نعتیہ شاعری

مولانا کافی کو نعتیہ شاعری میں ایک اہم مقام حاصل ہے ،آپ شاعری میں شیخ مہدی علی خان ذکی مرادآبادی کے شاگرد تھے شیخ مہدی علی شیخ امام بخش ناسخ کے نامور شاگرد تھے۔لکھنؤ سے ملک الشعراء کا خطاب ملا تھا۔مولانا کافی کا محبوب مشغلہ مدحت رسول ﷺ ہے نعت گوئی بہت مشکل کام ہے۔جہاں افراط وتفریط کی قطعاً گنجائش نہیں ہے،مولانا کافی اس کسوٹی پر کھرا اترے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ الملفوظ حصہ دوم میں فرماتے ہیں

"ایک صاحب شاہ نیاز احمد صاحب کے عرس میں تشریف لائے تھے ،اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور کچھ اشعار نعت شریف سنانے کی درخواست کی۔استفسار فرمایا کس کا کلام ہے انہوں نے بتایا اس پر ارشاد فرمایا سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام میں قطعاً نہیں سنتا۔مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔

آگے چل کر اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

"غرض ہندی نعت گویوں میں ان دونوں (مولانا کافی اور حسن بریلوی) کا کلام ایسا ہے،باقی اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتا ہے۔اور حقیقۃً نعت شریف نہایت مشکل ہے،جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے،اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے،جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے غرض حمد ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

غرض مولانا کافی ایک زبردست عالم اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔صحیح نعت شریف وہی کہہ سکتا ہے جس میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ صادق ہو۔مولانا کافی کو علم حدیث سے خاص شغف تھا عشق رسول ﷺ سے سرشار تھے۔مولانا کی شاعری تمام تر مداحی رسول ﷺ سے عبارت ہے۔مولانا کی زبان سادہ سلیس ،آسان اور دلنشیں ہے زبان میں شیرینی اور لطافت ہے یہی کافی کی نظم کی خصوصیات ہیں ،بہار خلد، نسیم جنت ،خیابان فردوس ،دیوان کافی وغیرہ مولانا کی تصنیفات ہیں۔دیوان کافی سے کچھ اشعار پیش کئے جارہے ہیں۔

طفیل سرور عالم ہوا سارا جہاں پیدا
زمین و آسمان پیدا مکیں پیدا مکاں پیدا
الٰہی معراج بھلا کس کو ملی ہے کافی
دلربا یا نہ ایک انداز تھا جاتا آتا
نہ دیکھا ہو جہاں میں جس نے فردوس
وہ آکر دیکھ لے کوئے محمد ﷺ

....

مجھے الفت ہے یاران نبی سے
ابو بکر و عمر ،عثمان علی سے
محبت ان کی ہے ایمان میرا
میں ان کا مدح خواں ہوں جان و جی سے

یا الٰہی حشر میں خیرالوریٰ کا ساتھ ہو
رحمت عالم جناب مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی ہے یہی دن رات میری التجا
روز محشر شافع روز جزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی پل کے اوپر بھی بہنگام گزر
دستگیر بے کساں اس پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب عمل میزان میں تلنے لگیں
سید ثقلین ختم الانبیاء کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب قیامت میں صفیں بندھنے لگیں
اہل بیت مجتبیٰ آل عبا کا ساتھ ہو
یا الٰہی شغل نعت مصطفائی میں رہوں
جسم وجاں میں جب تلک میری وفا کا ساتھ ہو

بعد مرنے کے بھی ہے کافی کہ یہ یارب دعا
دفتر اشعار نعت مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اشاریات

۱ نواب خان بہادر خان شہید ۹۳ از سید مصطفیٰ علی بریلوی
۲ گلستان بے خزاں ص ۱۰۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ
۳ مشعل راہ ص ۱۲۶ از: عبدالحکیم شرف
۴ مشاہیر جنگ آزادی ص ۳۲، ۳۳ از: مفتی انتظام اللہ شہابی
۵ الملفوظ حصہ دوم ص ۷۵ از حضور مفتی اعظم ہند
۶ الملفوظ حصہ دوم ص ۷۷ از: حضور مفتی اعظم ہند
(بشکریہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف)

فاطمہ جناح

اپنے بھائی کے بارے میں بتاتی ہیں

ترجمہ
خواجہ رضی حیدر

میں جب کراچی میں اس مزار کو خشت بہ خشت بلند ہوتے دیکھتی ہوں کہ میرے بھائی کے باقیات فانی پر سایہ فگن ہو رہا ہے تو میرے ذہن میں ہفتہ 11 ستمبر 1948ء کے اس دن کی اذیت ناک یادیں غول در غول وارد ہونے لگتی جب میں اپنے بھائی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی تھی اور قوم یتیم ہو گئی تھی۔ میں چونکہ چالیس سال تک اپنے بھائی کی شریک سفر رہی تھی۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ان کی زندگی کو اس طرح پیش کروں جیسا کہ میں نے دیکھا تھا۔ چنانچہ اس ذہنی کاوش میں مصروف ہونے سے قبل میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آج صبح میں اُن کی قبر پر جاؤں، فاتحہ پڑھوں عقیدت کے چند پھول چڑھاؤں، اور محبت کے چند آنسو نچھاور کروں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو جو بہت پیارے ہوتے ہیں۔

جنہیں چاہا جاتا ہے اور جو مرکز محبت ہوتے ہیں اور پھر وہ جدا ہو کر خالق حقیقی سے جا ملتے ہیں تو ایسے پیاروں کو بھلا اس کے سوا کوئی اور دے بھی کیا سکتا ہے۔ وہ میرے پیارے بھائی اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں اور اس کتاب کے صفحات دراصل ان کی زندگی، ان کے کارناموں، جدوجہد سے عبارت اُن کے ماہ و سال، اُن کی ناکامیوں اور محرومیوں کے ایام، کامیابیوں اور کامرانیوں کے لمحات کے علاوہ اس نصب العین، فلسفہ اور نظریہ کو پیش کرنے کی ایک کوشش ہیں جو ان کے مطالبہ پاکستان کی بنیاد تھے۔

قدرت نے انہیں کسی جن جیسی قوت و طاقت سے نوازا تھا، کم از کم اپنے پیش نظر کام تکمیل کے لیے وہ ایسی ہی مفوق الفطرت، طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرتے۔ تاہم قدرت نے اس قوت اور طاقت کو ایک ایسے نحیف و نزار قالب کا لباس عطا کیا تھا جو ان کے مضطرب و بے قرار ذہن اور امنگوں کی قوت محرکہ کا ساتھ دینے سے قاصر تھا۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ یہ نحیف و نزار جسم خرابی صحت کا مارا ہوا تھا اور جو بے پناہ مشکلات سے ستیزہ کار ایک طوفان خیز زندگی کے جو کھم اور گرم و سرد کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی قدرت نے انہیں تمام مشکلات پر حاوی آنے اور اپنے عوام کو ان کی منزل مقصود کی طرف راہنمائی کرنے کے عزم بالجزم سے بھی نوازا تھا۔

ان کی سیاسی سرگرمیوں اور ذمہ داریوں میں ان کی زندگی کے آخری دس برس کے دوران جب ضعیف العمری نے دستک دینی شروع کر دی تھی، بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنے ڈاکٹروں کے مشوروں اور اپنی چھوٹی بہن کی التجاؤں اور منتوں کے باوجود انہوں نے خود سے کوئی رعایت نہ کی اور ہمیشہ آرام اور سیر و تفریح سے گریزاں رہے۔

کام، کام...... اور زیادہ کام بس یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ انہوں نے فطرت کے ایک فضول خرچ یا فیاض بچے کی مانند اپنی توانائی کے آخری ذرے تک کو بے دریغ خرچ کیا۔ ان کی خرابی صحت سے گھبرا کر اور خوفزدہ ہو کر جب بھی کبھی میں نے ان سے

اتنی زیادہ دیر تک کام نہ کرنے اور کچھ عرصے کے لئے اپنے مسلسل اور طوفانی دوروں کو ترک کرنے کی درخواست کی جن کی بناء وہ ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتے رہتے تھے تو انہوں نے یہی جواب دیا" کیا تم نے کبھی کسی جرنیل کو اس وقت رخصت پر جاتے دیکھا ہے جو مصروف پیکار ہو؟" ان کے بارے میں مشہور تھا اور یہی بات ان کی وجہ شہرت بھی تھی کہ وہ مضبوط سے مضبوط عقدے کو ایک فقرے سے تہس نہس کر دیتے تھے۔ پھر دلائل اور براہین کے معاملہ میں تو ان کے مقابلے میں میری حیثیت ہی کیا تھی۔

ایسے موقعوں پر میں منطق اور دلائل کو چھوڑ کر جذبات کا سہارا لیتے ہوئے کہتی۔"لیکن آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے اس لئے آپ کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ تب ان کی آنکھیں جیسے دور کہیں گھورنے لگتیں اور وہ خوبناک لہجے میں کہتے" یہ ایک فرد کی صحت کا معاملہ نہیں، مجھے تو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی زندگی کی فکر ہے۔ جانتی ہو اس وقت کیا چیز داؤ پر لگی ہوئی ہے"۔ ان کا یہ جواب جذباتیت کو خاموش کرنے کے لیے کافی ہوتا۔ غرض اپنی صحت کو قطعی طور پر فراموش کر کے وہ سیاسی جدوجہد کے طوفانی سمندر میں زیادہ گہرے اترتے چلے گئے۔

فروری 1937ء میں جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت پورے ہندوستان میں عام انتخابات ہو رہے تھے تو مسلم لیگ نے پہلی مرتبہ اپنے اُمیدوار کھڑے کیے۔ اس وقت تک لیگ نہ تو پوری طرح منظم تھی اور نہ ہی اس کا پیغام پوری طرح سے مسلم عوام تک پہنچ پایا تھا۔ ایسی صورت حال میں مسلم لیگ کی تمام تنظیمی ذمہ داریاں اور رائے عامہ کو لیگ کے حق میں ہموار کرنے کا بوجھ ان کے ہی کاندھوں پر آپڑا۔ ان کے دوروں کی تعداد اور طوالت میں اضافہ ہو گیا۔ ساتھ ہی عوامی جلسوں سے ان کے خطاب کی تعداد بھی بڑھ گئی اور اسی مناسبت سے وہ زیادہ سے زیادہ عدیم الفرصت ہوتے چلے گئے۔ ان کے پاس اس قسم کی درخواستوں کا سیلاب آ گیا جن میں ان سے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کا دورہ کرنے کی درخواست کی جاتی تھی۔ ان درخوستوں کا لب لباب یہی ہوتا کہ ان کے دوروں سے لیگ کا پیغام زیادہ مسلم عوام تک پہنچ سکے گا، ان مسلمانوں تک جو بتدریج بیدار اور اس حقیقت سے بہرہ ور ہوتے جا رہے تھے کہ جب تک وہ متحد نہیں ہوں گے ان کا سیاسی مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا۔

جہاں کہیں بھی جانے میں ان کے ساتھ ہوتی اور یہ دیکھ کر بڑی تقویت سی محسوس ہوتی کہ مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہو رہے تھے اور ان کی تقریریں سننے کے لئے جلسوں میں آنے والے لوگوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ جہاں اس امر کا غماز تھا کہ مسلم لیگ کا اثر و رسوخ عوام کے ذہنوں پر بڑھتا جا رہا تھا۔ وہاں خود ان کی روز افزوں ذاتی مقبولیت کا بھی ثبوت تھا۔ جب وہ اس زبردست طاقت کا تذکرہ کرتے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں مرتکز اور مجتمع تھی اور جو ان کے اتحاد کی بدولت مستقبل میں سیاسی اصلاحات کی کسی بھی اسکیم کے خدوخال متعین کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی تھی تو فضا دیر تک زوردار تالیوں سے گونجتی رہتی جوش و جذبہ سے معمور رہنما کی طرح ان کی آواز گونجتی اور وہ کہتے۔ "ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جان لے کہ مسلم لیگ برقرار رہنے کے لئے قائم ہوئی ہے۔ مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو سبوتاژ کرنے کی تمام کوشش بالآخر ناکام ہو کر رہیں گی۔ مسلمان آگے بڑھ رہے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان کے عزم کامیابی کو دبا نہیں سکتی"۔ پھر جب وہ اپنی تقریر اُمید و رجا سے معمور بلند آہنگی کے ساتھ ختم کرتے تو لوگوں کا عظیم الشان اجتماع" مسلم لیگ زندہ باد" محمد علی جناح ..... زندہ باد" کے فلک شگاف

نعرے بلند کرنے لگا۔ لیگ نے 1940ء کے لاہور اجلاس میں جس دن وہ قرارداد منظور کی جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی، اسی دن سے انہوں نے زور افزوں ہر کام سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنی بگڑتی ہوئی صحت کو بھینٹ دی۔

منظم اور غیر منظم مقلدین اور پیروکاری ہی ان کی واحد قوت تھے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سال کے بعد وہ مطالبہ پاکستان کو شرمندۂ تعبیر کر کے اسے تاریخ انسانی کا درخشاں باب بنا کر رہیں گے۔ آنے دن کے دورے اور سفر کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ، کئی کئی گھنٹے کے طویل اور تھکا دینے والے اوقات کار اور نت نئی پریشانیاں...... یہی وہ رختِ سفر اور اور صلہ ہے جو کسی رہنما کو جدوجہد کے ایام میں ملتا ہے۔ یہ تمام مصروفیات ان سے بہت کچھ چھین رہی تھیں۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ مسکراتے ہوئے بخوشی برداشت کیا۔ ان کی 5 فٹ کی کاٹھی جس کا وزن عموماً 112 پونڈ کے قریب تھا قطرہ قطرہ اونس اونس اپنی توانائی اور وزن کھو رہی تھی لیکن انہوں نے قومی فریضہ کے مقابلے میں صحت جیسے نجی معاملات کی طرف سے انتہائی اغماض اور لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ کسی چیز کو اپنے کام میں حائل اور حارج نہیں ہونے دیتے تھے۔

اپنی صحت کی طرف سے یہ بے پروائی دیکھ کر میں ایک مرتبہ پھر ان سے اُلجھ رہی تھی ان کی منتیں سماجتیں کر رہی تھی کہ وہ کم از کم کسی اچھے ڈاکٹر کو تو دکھا دیں اور اپنی صحت کی طرف تھوڑی بہت تو توجہ دیں لیکن میری یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئی اس میں ان کے عزم جواں کے اس موج سمندر کے تیز و تند ریلے کو روکنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکی جو ان کے عوام کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو بہا لیجانے کے درپے تھا۔ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے علاوہ انہیں مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ کے قائد کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ 1940ء کی بات ہے، اگرچہ قائد کئی دن سے بخار اور حرارت میں مبتلا تھے لیکن پھر بھی یہ علالت ان کے عزم سفر میں حائل نہ ہو سکی۔ ہم اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بمبئی سے دہلی روانہ ہوئے۔

وہ رات کا کھانا کھا چکے تھے، ٹرین اپنی پوری رفتار سے چھم چھم کرتے ستاروں سے مزین صاف وشفاف آسمان تلے تیزی سے اپنی منزل کی سمت رواں تھی۔ وہ سونے کے لئے بستر میں لیٹے ہوئے تھے اچانک ان کے منہ سے زوردار چیخ بلند ہوئی جیسے گرم آہنی سلاخ سے ان کا جسم چھید دیا گیا ہو میں گھبرا کر اٹھی اور ان کے پاس پہنچی ان سے چیخنے کا سبب معلوم کیا۔ مگر درد اتنی شدت کا تھا کہ ان کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے البتہ انہوں نے انگلی سے ریڑھ کی ہڈی کے نیچے اور اس کے دائیں طرف اس مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ درد ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ٹرین پوری رفتار سے اُڑی چلی جا رہی تھی۔ ایسی صورت میں طبی امداد بھی حاصل نہ کی جا سکتی تھی۔ یہ سوچ کر شاید ان کے درد میں کچھ کمی ہو، میں نے ان کے جسم اس حصے کی مالش سے ان کی تکلیف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مایوس ہو کر میں نے یہ کوشش ترک کر دی۔ اب میرے ہونٹوں پر یہی دعا تھی کہ جلد کوئی اسٹیشن آ جائے، ٹرین وہاں ٹھہرے اور میں ان کے جسم کی سینکائی کے لئے گرم پانی کی بوتل کا انتظام کر سکوں۔ بالآخر ٹرین رُک گئی۔ میں نے گارڈ کو بلا کر اُسے صورتحال بتائی اور اسے گرم پانی کی بوتل فراہم کرنے کا انتظام کرنے کے لیے کہا۔ گرم پانی کی بوتل آ گئی اور میں نے اسے نیپکن میں لپیٹ کر آہستگی سے ان کے جسم کے متاثرہ حصے پر رکھا پھر یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ اس عمل سے درد کی شدت میں

قدرے کمی آ گئی تھی۔ ٹرین علی الصبح دہلی اسٹیشن پر رُکی اور جلد ہی ہم اپنی رہائش گاہ 10 اورنگزیب روڈ پہنچ گئے۔

میں نے اپنے بھائی کو سہارا دے کر کار سے اتارا اور انہیں بستر تک لے گئی پھر فوراً ہی ان کے ڈاکٹر کو ٹیلیفون کیا کہ وہ آ کر ان کا معائنہ کر لے۔ تفصیلی معائنہ کے بعد ڈاکٹر نے فیصلہ سنایا کہ ان پر پھیپھڑوں کی سوزش Pleurisy کو حملہ ہوا تھا اس لئے انہیں کم از کم پندرہ دن آرام کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی انہوں نے گویا ڈاکٹر کے فیصلے کو ساقط کرنے کے لیے مجھ سے کہا۔

"کیا بدقسمتی ہے۔ یہ انتہائی اہم اجلاس ہے اس میں میری شرکت از حد ضروری ہے اور میں ہوں کہ زبردستی صاحب فراش کر دیا گیا ہوں اور آرام فرمانے کی عیاشی کر رہا ہوں۔ انہوں نے جو فیصلہ سنایا تھا وہی کیا دو دن تو کسی نہ کسی طور پر انہوں نے آرام کیا اور اس کے بعد پھر کام میں جُت گئے۔ خدا نے انہیں ایک بے چین اور مضطرب روح عطا کی تھی اور اس سیمابی روح نے اپنی قوم کی تاریخ کے ایک نہایت پرفتن طوفانی دور میں جنم لیا تھا۔

جاری ہے ۔۔۔۔۔۔

آل انڈیا سنی کانفرنس 30 اپریل 1946ء میں اپنے خطبہ کے دوران محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"اے ہمارے بزرگو! ممکن ہے کہ آپ کو حیرت ہو کیونکہ ہم سے ملک میں جا بجا کہا گیا کہ ہم نے سنی کانفرنس کیلئے بنارس کا انتخاب کیوں کیا؟ اور ہم نے ملک کے طوفانی دورے میں سب کو یہی جواب دیا کہ ہندوستان کا نقشہ دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بنارس ہندوستان کا سنٹر واقع ہوا ہے۔ ہر طرف سے آنے والوں کیلئے برابر کا فاصلہ پڑتا ہے"۔ (صفحہ نمبر 260)

ساری دُنیا خصوصاً ہندوستان میں سنی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور زیادتیوں سے آگاہ اس طرح فرماتے ہیں۔

"ملک بھر کے اعاظم کو زحمت دینے کی بیساختگی ہم سے اس وجہ سے ہوئی کہ واقعات نے ہمارے حواس گم کر دیئے اور اہل زمانہ کے غیر معمولی مظالم میں اتنی شدت اتنی کثرت بڑھ گئی کہ ہم اپنے ہوش کو درست نہ رکھ سکے۔ حجاز مقدس جو ہم سنیوں کے ایمانیات کا گہوارہ ہے اور جس کے ذرہ ذرہ سے سنیوں کی دینی روایات وابستہ ہیں اُس پر نجدی فتن و زلازل کو مسلط کر دیا گیا ہے وہ ارض مقدس اب تک اُن فتنوں کی آماجگاہ ہے فلسطین کے سنی بھائیوں پر بے رحم یہود بہت ستم آرائیوں کی مشق کرنے کیلئے مسلط کی جا رہی ہے ہمارے جاوا انڈونیشیا کے سنی بھائیوں پر توپ اور بم کی بارش ہو رہی اور ان بے گناہوں کی خطا صرف اتنی ہے کہ وہ سنی ہیں اور اپنے دین کی آزادی کو کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہمارے ملک میں صرف اہل سنت و جماعت کو پامال کرنے کیلئے اکثریت کا سانڈ چھوڑ دیا گیا ہے، اہل باطل کی ٹولیوں کو سنیوں پر بھونکنے کیلئے پالا جا رہا ہے۔

اور قیامت یہ ہے کہ سنیوں کو ختم کرنے کیلئے جن درندوں کو راشن دیا جاتا ہے اُنکا نام بھی سنی رکھا گیا ہے۔ ابن عبدالوہاب کا پرستار اپنے کو سنی کہتا ہے یزید و ابن سعد کا پجاری اپنے کو سنی کہتا ہے سنیوں کو تباہ کرنے کی سازش کا نام سنی بورڈ رکھا جاتا ہے۔

سنیوں کو اپنے ملک میں زندہ نہ رہنے دیں سنیوں کو اُن کے وطن سے نکالیں، سنیوں کے ایمانیات پر حملہ کریں سنیوں کے عقائد پر ڈاکے ڈالیں۔ سنیوں کی سیاست میں روڑا اٹکائیں اور پھر بھی سنی کے سنی بنے رہیں۔ یہ وہ معصیت عظمیٰ اور قیامت کبریٰ ہے جس نے سنیوں میں لوٹ مچا رکھی ہے"۔ (صفحہ نمبر 262-263)

تحریک پاکستان میں علمائے اہلسنت کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

یہ اسی گروہ پاک کے عزم پاک کا پاک نتیجہ ہے کہ ان کے پیغام کی آواز بازگشت آج یونیورسٹی سے کالج سے اسکول سے کوچہ و بازار سے در و دیوار سے آ رہی ہے۔ اور ہندوستان کا کونسا سنی ہے جو نعرۂ پاکستان سے بے خبر ہے۔ دُنیا نے بڑی تلاش کے بعد اس

تحیل کی ابتدائی کڑی کا نام ڈاکٹر اقبال بتایا ہے لیکن اس کو آج سنیئے کہ اس پیغام کیلئے قدرت نے عہد حاضر کے ہندوستان میں جس ہستی کا انتخاب فرمایا وہ ہماری آل انڈیا سنی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ اور بانی ہمارے صدر الافاضل اُستاد العلماء کی مقبول و برگزیدہ ذات گرامی ہے"۔(صفحہ نمبر 266)

"آل انڈیا سنی کانفرنس کیلئے ملک کا طوفانی دورہ کرتے ہوئے جب ہم کو یہ پتہ چلا کہ ہم تو دس کروڑ مدعیان اسلام میں سے نو کروڑ ہیں۔ بنگال کے ایک ضلع چاٹگام اور اس کے حواشی میں سولہ سو علمائے اہل سنت، مدرسین، مبلغین، مصنفین و ارباب فتاوی ہیں۔ ہمارے سارے ملک میں صرف علمائے کا شمار بیس ہزار سے زائد ہمارے دفتر میں آچکا ہے تو ہم اس قدر متحیر ہوئے جس قدر ہمارے سنی بھائی ہم سے اس حقیقت کو سن کر حیران ہیں اگر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اس قدر لشکری منظم ہو جائیں اور اتنے کثیر قائدین کی قیادت مجتمع ہو جائے تو پھر کھلے بند غیر مسلم ہوں یا مسلم نما غیر مسلم ہوں کیا مجال کہ کوئی ہم سے ٹکرا سکے اور کیا طاقت کہ ہمارے سامنے آسکے۔"(صفحہ نمبر 268)

کانگرس نواز علماء کی پاکستان مخالف مہم اور تعلیمی فقدان سے مسلمانان اہلسنت کو اس طرح خبردار کرتے ہیں۔

"ایسی غیر ذمہ دارانہ تعلیم سے جہالت ہزار درجہ بہتر ہے کیسی ناپاک تعلیم ہے جو پاکستان کے تصور سے لرز اُٹھے اور پاکستان میں جس کو اپنی زندگی محال نظر آئے اسلامی تلوار کی آزادی میں اپنی موت معلوم ہو۔ کیا سنیوں کی سنیت اور مسلمانوں کی اسلامی غیرت اب اس قومی و دینی جرم کو برداشت کر سکتی ہے کہ ایسی درسگاہ کو زندہ رہنے دے کہ اس کو زندہ رکھا جائے ہرگز نہیں۔(صفحہ نمبر 270)

پاکستان کے خواب کو شرمندہ تعبیر میں لانے کیلئے کچھ اس طرح سے ارشاد فرماتے ہیں۔

"سیاسیات، اقتصادیات اور تاریخ وغیرہ کا مستقل کورس ہو، سنی لائبریری، سنی مدرسہ، سنی اسکول، سنی کالج، سنی یونیورسٹی دین و دنیا کی حامل بن جائے، اور اس سے ایسے دل و دماغ پیدا کیے جائیں جو صدق و صفا، عدل و وفا، شرم و حیاء، جود و سخا، دشمنوں سے جدا ایمانوں پر فدا ہونے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ جن کا جینا مرنا اللہ (عزوجل) کیلئے ہو تو پھر آپ یقین رکھیں کہ خلیج بنگال اور بحیرۂ ہند کی درمیانی خشکی میں پاکستان ہی پاکستان نظر آئے۔ جو قوم علم میں عمل میں، اخلاق میں پاک ہو جاتی ہے وہ جہاں قدم رکھتی دیتی ہے اُس کو پاکستان بنا دیتی ہے"۔(صفحہ نمبر 271)

"اب آپ کو پاک نگاہی، پاک تدبیر، پاک تعلیمات ہم کو پاکستان عطا کر دیگی، میرے دینی رہنماؤں! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا معمول بن گیا ہے در و دیوار پر پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے۔ نعروں کی گونج میں پاکستان لے کے رہیں گے۔ مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں ویرانوں میں، لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہے"۔(صفحہ نمبر 276)

آل انڈیا سنی کانفرنس مستقبل میں پاکستان کو کیسا بنانا چاہتی ہے؟ اس کی وضاحت اس طرح سے فرماتے ہیں۔

"لیکن آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافت

راشدہ کا نمونہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے لیکن اگر عالم اسباب میں رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ حصہ حصہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنتا جائے تو اس کو بنایا جائے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے پاکستان کے خلاف زبان کھولنے اور قلم چلانے سے پہلے خوب سوچ لیا جائے کہ داور حشر کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ پاکستان میں اس جرم کو نہ بخشا جائے گا جو کلمہ پڑھ کر اپنے کو سنی کہہ کر اسلامی اقتدار کے تصور سے چڑھتا ہو۔" (صفحہ نمبر 277)

"سنی کیسا پاکستان بنائیں گے، اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ عہد صدیقی کو دیکھ لیا جائے، دور فاروقی کی سیر کر لی جائے، عثمانی زمانہ کو نظر کے سامنے لایا جائے، خلافت علویہ کا دیدار کر لیا جائے اسی قسم کا پاکستان بنائیں گے اگر سنیوں کو زندہ رہنے کا اپنے دین کی حفاظت کرنے کا اپنے مستقبل کو سنوارنے کا، اپنی قوم کو ہلاکت سے بچانے کا، اپنی مسجدوں کو آراستہ کرنے کا، اپنی خانقاہوں کو بچانے کا، اپنے اداروں کو درست رکھنے کا حق، دوسری قوموں کی طرح ہے اور ضرور ہے تو پھر ہر تنظیم سے زیادہ ضروری سنیوں کیلئے آل انڈیا سنی کانفرنس ہے۔ یہ ہم نے مانا کہ انگریز اب ہندوستان پر حکومت کرنے سے تھک گیا ہے۔ اور اب منافع کے سوا خطروں سے الگ رہنا چاہتا ہے۔ اور وہ کوئی حکومت ہندوستان کو دے ڈالنا ہی چاہتا ہے۔ ہم نے مانا کہ یہ دیکھ کر ہندوستان کی اکثریت کے منہ میں پانی بھر آیا ہے اور وہ بلا شرکت غیر اس حق کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور مانا کہ مسلم لیگ کے سوا عہد حاضر کی چالبازیوں اور دھاندلیوں کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن پھر بھی سنی مسلمانوں کو اپنی ملی تنظیم کی آج اسی قدر حاجت ہے جس قدر پہلے تھی۔ ہم سے مسلم لیگ کو اس کی امید رکھنی چاہیے کہ اس کا جو قوم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا اور اس کے جس پیغام میں اسلام و مسلمین کا نفع ہوگا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی تائید اس کو بدریغ حاصل ہوگی اور دینی تصور میں ہاتھ لگانے سے پہلی آل انڈیا سنی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنی پڑے گی اور ضرور کرنی پڑے گی۔ (صفحہ نمبر 278 تا 279)

قائد تحریک نظام مصطفیٰ مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔" حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ تحریک پاکستان کے روح رواں تھے۔ وہ اس قافلہ عشق و مستی کے رکن رکین تھے جس میں صدر الافاضل، سید العلماء مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت امیر ملت محدث علی پوری اور میرے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی و دیگر اکابر و مشائخ اہلسنت ان کے ہمرکاب تھے۔ یہ فقیر آج بھی حضرت محدث اعظم کے ان کلمات کی گونج سن رہا ہے جب وہ اپنے پورے روحانی و علمی جاہ و جلال کے ساتھ یہ فرما رہے تھے کہ اگر قائد اعظم مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائیں تو بھی ہم اہلسنت اس کو بنا کر رہیں گے ان شاء اللہ کیونکہ اگر پاکستان نہ بنا تو برصغیر کا حشر بھی مسلمانوں کیلئے اسپین جیسا ہوگا حضرت محدث صاحب بیک وقت شیخ طریقت پیکر علم و عمل اور صاحب بصیرت سیاستدان بھی تھے۔ وہ اپنی مآل اندیشانہ بصیرت سے تحریک پاکستان کی کامیابی دیکھ رہے تھے۔ حضرت کا ترجمہ معارف القرآن ان کی علمی و روحانی بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت اور صدقہ جاریہ ہے اور اہلسنت کا عظیم علمی سرمایہ ہے۔

(معارف القرآن صفحہ 2)

1947ء کی کہانی مظلوموں کی زبانی

محمد عثمان رضوی

پاکستان ہمیں سونے کی طشتری پر نہیں دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کی جانوں کا نذرانہ دے کر، ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کو گھروں سے بے گھر کر کے پچاس ہزار سے زائد مسلمان نوجوان ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں کی زینت بنا کر ماؤں سے بچے چھینوا کر بہنوں سے بھائی، بھائیوں سے بہنیں باپ سے بیٹیاں، بیٹیوں سے باپ، ماؤں سے بیٹے، بیٹوں سے مائیں، بیویوں سے شوہر اور شوہروں سے بیویاں جدا کرا کر تحریک پاکستان کے دوران ہمارے اسلاف نے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا چاہیے وہ جانی ہو یا مالی یہاں تک وقت آنے پر اپنے خون سے دریائے ستلج اور دریائے بیاس کا پانی کئی کئی روز تک سفیدی کی بجائے سرخ خون سے بہتا رہا پاکستان جو کروڑوں قربانیوں کا ثمر ہے جسے حاصل کرنے کیلئے ہمارے اکابرین کو خون کے دریا بہانے پڑے تو انھوں نے خون سے جاری کر کے تاریخ کو دکھلایا ماؤں نے اپنے چہیتوں کو اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر انہیں سوئے مقتل روانہ کرتے ہوئے تاریخ کو بتلایا ہزاروں اکابرین نے پھانسی کے پھندوں کو جھول اور جس آزادی کی قیمت بچوں نے نیزوں کی نوک پر موت کا رقص کر کے اور کئی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں نے اپنی عزت و عصمت کی ہزاروں داستانیں خون کے قلم سے تاریخ میں رقم کروائی جہاں جہاں سے تقسیم کی لکیر گزرتی آگ خون چیخوں اور سسکیوں سے فضا لرز جاتی تھی۔

داستان تحریک پاکستان اپنے اندر ایسے ایسے واقعات لیے ہوئے ہیں کہ انسان کا وجدان واقعات کی سماعت سے لرزے میں آجاتا ہے اسطرح کا ایک واقعہ ہے۔ ہندوؤں نے اپنی عادت کے مطابق اچانک مسلمانوں کی آبادی پر حملہ کر دیا حملہ کے دوران مسلمان گھرانہ گھیرے میں آگیا۔ ہندوؤں نے مسلمان گھرانے والوں سے کہا کہو پاکستان مردہ باد اور جے ہند ورنہ تمہیں برباد کر دیں گے۔ مسلمان نوجوان نے جواب دیا اگر تم ہماری بوٹیاں بھی کر دو تو ہم کبھی بھی جے ہند نہیں کہیں گے۔

البتہ پاکستان زندہ باد ہندو بلوائیوں نے جب یہ سنا تو انھیں نے سب سے پہلے مسلمان گھرانہ کا سارا سامان صحن میں رکھ کر آگ لگا دی اور کہا کہو پاکستان مردہ باد، نوجوان اور اسکی بیوی دونوں نے بیک آواز جواب دیا پاکستان زندہ باد، ہندوؤں نے مزید کارروائی کرتے ہوئے ان کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو لیا اور کہا کہو ورنہ اس دہکتی آگ میں ان کو زندہ جلا دیں گے مگر قربان جایئے اس ماں پر جس نے کیا تاریخ ساز جواب دیا اے خبیثو ایسے دو کیا اگر دو ہزار بیٹے بھی ہوں تو پاکستان پر قربان کر دوں گی۔

بلوائیوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ زندہ بچوں کو آگ میں ڈال دیا بچے تڑپتے رہے اماں بابا کو آوازیں دیتے رہے ماں ہمیں بچاؤ بابا ہمیں بچاؤ یہاں تک کہ آوازیں آنی بند ہوئی تو بلوائیوں نے ان بد بودار بچوں کی لاشوں کو ماں کی گود میں دے کر کہا لو پاکستان۔

ایسے واقعات تاریخ پاکستان میں بکھرے پڑے ہیں

آزادی کے اس دور میں کیا ہو رہا تھا وحشت و درندگی کے ایسے مناظر تاریخ میں رقم ہوئے جو پہلے نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے سنے، فاتحانہ قہقہوں کے ساتھ معصوم شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا پردہ دار خواتین وہ جنہیں نہ کبھی کسی غیر محرم نے دیکھا اور نہ جن کی آواز کسی غیر محرم کے کان تک پہنچی وہ جنہوں نے کبھی گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہ رکھا لیکن آج آزادی کی جنگ میں ایسی ہزاروں لاکھوں عورتیں بے چارگی کے عالم میں گھر سے بے گھر ہوئی۔

راچھوہ سے امرتسر تک ہر ریلوے سٹیشن شہدا کے خون سے ڈوبا ہوا تھا عزت مآب بیٹیوں کے کٹے ہوئے سروں کو انھیں کے بالوں سے درختوں سے باندھا دیا گیا تھا اور انھیں کے کٹے ہوئے ہاتھوں سے جاری خون سے دیواروں پر جے ہند لکھا دیا گیا تھا یہ انسانی وحشت و درندگی کی انتہا تھی کسی کی عزت محفوظ نہ رہی انسانی عصمت انسان نما درندوں کی ہوس کا شکار ہوگئی غیرت مند قوم کی غیرت مند بیٹیوں نے اپنی عصمت بچانے کیلئے جو کچھ کیا اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کسی نے اپنی آپ کو چھری سے ذبح کیا تو کسی نے اپنا سر پتھر سے کچل تو کسی نے درانتی سے اپنا سر قلم کردیا تو کسی نے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔

تو کسی نے اپنی عصمت کی خاطر اپنے آپ کی چھت سے نیچے پھینک دیا لیکن اپنی عصمت پر داغ نہ آنے دیا باپ کی عزت اور بھائی کی غیرت نے اپنے آپ کو مجبور پایا تو اپنے ہی ہاتھوں اپنی بیٹی بہن کو قتل کر دیا (کیونکہ غیرت کی موت بے عزتی کی زندگی سے بہتر ہے) مسلمانوں پر ان کے اپنے ہی وطن کی سرزمین تنگ کردی گئی تھی اور انھیں مجبور کردیا گیا تھا ان گلی کوچوں کو چھوڑنے پر جہاں ان کی ساری زندگی گزری تھی ہر طرف زندوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی بے گور و کفن لاشیں خاک و خون میں لت پت ادھر ادھر پڑی تھی بے بسی اور بے کسی کے اس عالم میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔

آج پھر انھیں بے کسوں بے بسوں کی قربانیوں کو یاد کرنے کیلئے اک بار پھر ہم اس 47ء کے اسی دور میں انھیں مظلوموں کی زبانی خود ان کے مظالم کی کہانی آپ کو سنائی تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ آج جس پاکستان میں ہم لوگ سکون اور اطمینان کا سانس لے رہے ہیں یہ پاکستان ہم سونے کی طشتری کی بجائے کروڑوں مظلوموں کو ظلم کی چکی میں پسوا کر ملا ہے۔

[illegible]

"علماء اہل سنت سے گزارش ہے کہ وہ اس نکتہ کو ذہن نشین رکھیں کہ جمعیت علماء پاکستان کل بھی ان کی جماعت تھی، آج بھی ان ہی کی ہے اور آئندہ بھی انہی کی ہوگی، دوسرے لوگ ان کے خدام کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے اس میں شامل ہونا ان کا بنیادی حق ہے اور اس حق سے خود کو محروم رکھنا کوئی نیک شگون نہیں ہے، جو علماء اہل سنت سیاسی ذہن رکھتے ہوں انہیں کسی پس و پیش کے بغیر جمعیت علماء پاکستان میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔"

شاہ حسین گردیزی، کراچی
(ممتاز دانشور، محقق، مصنف)

اہل حق را زندگی از قوت است | قوت ہر ملت از جمعیت است
رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں | قوت بے رائے جہل است و جنوں

([illegible])

یعنی اہل حق کی زندگی قوت سے ہے اور ہر قوم کی قوت اس کی جمعیت اور اتحاد سے ہے [illegible]

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب خالق کائنات نے پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر اور غرور کی بنا پر سجدے سے انکار کر دیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منکرین کے گروہ سے ہو گیا۔ اس کے بعد ابلیس نے اللہ تبارک وتعالی سے کہا کہ اے اللہ، تو نے آدم علیہ السلام کو مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو قیامت تک مجھے مہلت دے دے تو میں اولادِ آدم کو گمراہ کر دوں گا۔ اور تھوڑے اشخاص کے علاوہ باقی تمام کی جڑیں کاٹ دوں گا۔ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا "یہاں سے دور ہو جا!! اور اولادِ آدم میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا میں تیرے ساتھ اُسے بھی جہنم کا ایندھن بنا دوں گا۔ تو ان میں سے جن کو گمراہ کر سکتا ہے، کر تا رہ جو میرے بندے ہوں گے وہ تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے، اور ان پر تیرا زور نہیں چلے گا۔ (بنی اسرائیل، ۱۷، ۶۵، ۶۶)

درج بالا آیات بینات کی روشنی میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دو قومی نظریہ کی ابتدا قصہ آدم و ابلیس ہے۔ جو کہ منفی اور مثبت اقداری خیر و شر کی ایجاد کا باعث بنا۔ موجودہ دور میں اس بات کا شدت کے ساتھ پرچار کیا جا رہا ہے کہ ہر ملک کے رہنے والے ایک علیحدہ قوم ہے۔ ان کا تعلق چاہے جس عقیدہ، زبان، نظریہ یا ثقافت سے ہو۔ اس بات کو جب ہم اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں سبق ملتا ہے کہ اگر وطن ہی سب کچھ ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وطن کیوں چھوڑتے؟

اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دائرے میں داخل ہونے والوں کو ایک قوم ایک ملت اور ایک جماعت قرار دیتا ہے۔ جبکہ اس میں داخل نہ ہونے والوں کو "الکفر ملۃ" "واحدۃ" کہہ کر مختلف قومیں نہیں بلکہ دوسری قوم دوسری ملت اور دوسری جماعت قرار دیتا ہے۔ برصغیر میں دو قومی نظریہ کا وجود برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ مختلف وقتوں میں مشائخ وصوفیا اپنے اپنے فکر و عمل کے مطابق اس نظریہ کے احیاء میں عملی حصہ لے کر تقویت پہنچاتے رہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں نظر دوڑائیں تو حاجی شہر دیوان چاؤلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱ھ) سے لے کر آج تک سلاسل صوفیاء کے مشائخ اور گدی نسبتوں نے اپنے اپنے دور میں حکمرانوں کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر کے ظالم حکمران لوائے پتھورا کو رعایا پر ظلم و ستم سے باز رہنے کے لیے اپنے آدمی کو بھیجا اور فرمایا کہ اس شخص کو چھوڑ دو کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔ مگر رائے پتھورا نے اس پیغام کو در غور اعتناء رکھا۔ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رائے پتھورا کو ہم نے زندہ گرفتار کر لشکرِ اسلام کے حوالے کر دیا۔ شہاب الدین غوری کو ہندوستان پر حملہ کی ترغیب دی اور انہی دنوں شہاب الدین غوری نے رائے پتھورا کو شکست دے کر زندہ گرفتار کر لیا۔ دہلی کا بادشاہ شمس الدین حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ سلاطین دہلی پر حضرت خواجہ نظام الدین

اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ علاؤالدین خلجی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کو چوم کر آنکھوں سے لگاتا اور آپ کا بے حد احترام کرتا۔ اور آپ جو نصیحت فرماتے اس پر دل و جان سے عمل کرتا۔ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کا ملتان کی حکومت میں پورا پورا دخل تھا۔ فیروز شاہ تغلق مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا انتہا درجہ کا معتقد اور جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رہنمائی حاصل کرتا۔ الحاصل اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین الٰہی کے خلاف آواز حق بلند کر کے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا۔ گو کہ برصغیر میں دو قومی نظریہ کا وجود محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا مگر اس میں شدت اس وقت آئی جب انگریز برصغیر سے اپنا بوریا بستر سمیٹنے لگا۔ تو دو قومی نظریہ کی حمایت اور عملی نفاذ کے لئے مسلم زعماء پوری قوت سے سرگرم عمل ہو گئے۔ اس کے علاوہ اسی دور کے قریب قریب مسلم زعماء کی کوششوں سے ایک عظیم الشان کارنامہ وجود میں آیا جس نے مسلمانوں کی انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات کی ایک ایک جزئی منضبط کر دی اور یوں برصغیر میں بسنے والی دیگر اقوام پر ثابت کر دیا کہ مسلمان اپنی عبادات، معاملات، اخلاقیات، روحانیات الغرض ہر اعتبار سے علیحدہ تصور حیات کے مالک اور مستقل ملت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کارنامہ تھا "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین۔ جسے اپنے وقت کے جید علماء کے ایک بورڈ نے مرتب کیا ان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے۔ میرے نزدیک "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین برصغیر میں دو قومی نظریہ کے احیاء کا سنگ میل ہے۔ اس سفر میں آگے چل کر علماء و مشائخ عظام نے بھرپور طور پر عملی حصہ لیا جس میں سے امام احمد رضا خان صاحب قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا پیش کردہ چار نکاتی فارمولا کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ۱..... مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا منافع گھر میں رہے۔ ۲..... بمبئی، مدراس، کلکتہ، رنگون، حیدر آباد کے دیگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بلاسود بنک قائم کریں جو نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کام کریں۔ ۳..... سوائے ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصلوں سے طے کریں تا کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں ضائع نہ ہوں۔ ۴..... دین کی ترویج و تحصیل کریں کہ یہ سب سے اہم کام ہے..... تحریک پاکستان کی جدوجہد میں علماء مشائخ اور قائد اعظم کی خدمات کو ممتاز مورخ ڈاکٹر عزیز احمد کے اس نقطہ نظر کی تصدیق ہوتی ہے۔ مسلم ہند کی قیادت میں جناح کی کامیابی کا راز جو نظر آتا ہے حقیقت میں اس کے برعکس تھا۔ حقیقت میں وہ خود قیادت نہیں کرتے تھے بلکہ مسلم اجماع کے پیروکار تھے۔ اور ان کا کردار ایک پر خلوص اور صاف ذہن رکھنے والے قانون دان کا تھا۔ جو اپنے موکل کی مبنی خواہش کے مطابق مقدمہ کو پکی قانونی زبان میں ڈھال سکتے تھے۔ اور اس کا اظہار کر سکتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ مشائخ تھے کہ جب انگریز حکومت نے ہندوستان کے کسی ایک صوبے میں پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کرانے کا مطالبہ کیا تو مجاہد اسلام پیر عبدالرحمن صاحب آف بھر چونڈی شریف نے رات دن ایک کر کے سندھ اسمبلی سے یہ قرارداد منظور کرائی۔ اس دو قومی نظریہ کی بنیاد پر شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ اور انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔ مشائخ عظام نے اپنے بزرگوں کے فکر و عمل اور قائد اعظم محمد علی جناح نے خداداد فہم و فراست اور مدینۃ المنورہ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کے صدقہ میں پاکستان کی شکل میں دوسری مکمل اسلامی نظریاتی حکومت معرض وجود میں آئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے۔

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمۃ تحریک پاکستان کے عظیم رہنماؤں میں سے تھے یہ الگ بات ہے کہ آج تحریک پاکستان کے تذکروں میں ان کا نام دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ یہ تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہی تو ہے کہ جنھوں نے پاکستان کی خاطر اتنی قربانیاں دیں ان کا تو ذکر ہی موجود نہیں اور جو پاکستان کے مخالف تھے انھیں پاکستان کے حامی بلکہ ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے اسی لیے شاعر نے کہا تھا۔

نیرنگیء سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اس سے پہلے کہ حضرت شیخ القرآن کی تحریک پاکستان میں عظیم خدمات بیان کروں مختصراً ان کے تعارف کیلئے ابتدائی حالات تحریر کرتا ہوں۔

ابتدائی حالات: علامہ عبدالغفور ہزاروی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کے جدِ امجد مولانا محمد عالم نے اپنے شیخ طریقت حضرت عبدالغفور اخوند سوات کے نام پر "عبدالغفور" نام رکھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ کے کہنے پر بریلی شریف حاضر ہوگئے اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ یہاں آپ نے اپنی محنت، ذہانت اور علمی قابلیت سے استاذ محترم کا ایسا اعتماد حاصل کیا کہ انھوں نے آپ کو "ابوالحقائق" کا لقب عطا فرمایا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بریلی شریف میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں پھر مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں تشریف لے آئے۔ یہاں تین سال قیام کے بعد انجمن اسلامیہ وزیر آباد کی استدعا پر جامع مسجد وزیر آباد کی خطابت کے فرائض سنبھالے اور تادم زیست اس منصب پر فائز رہے۔ اور ساتھ ہی جامعہ غوثیہ نظامیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی۔ یہاں آپ نے دورۂ قرآن حکیم شروع کیا۔ جہاں آپ سے پاکستان کے ہزاروں طلبہ نے کسب فیض کیا۔ اسی سے آپ "شیخ القرآن" مشہور ہوئے۔ علامہ ہزاروی شعری ذوق بھی رکھتے تھے چشتی تخلص تھا۔ فارسی، اردو اور پنجابی میں طبع آزمائی کرتے تھے، آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ کی دستِ اقدس پر بچپن ہی میں بیعت کر چکے تھے۔

مسلم لیگ میں شمولیت: ابتداء میں آپ نے مجلس اتحادِ ملت کے مرکزی نائب صدر کی حیثیت سے مسلمانانِ برصغیر کی رہنمائی کی۔ لیکن مسلم لیگ کے جامع پروگرام کو اہمیت دیتے ہوئے آپ نے مسلمانوں کی اس نمائندہ جماعت میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی جس کی تفصیل کچھ یوں ہے: اپریل ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں انعقاد پذیر ہوا۔ آپ نے قائدِ اعظم کی موجودگی میں "مجلس اتحادِ ملت" توڑنے اور مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان یوں کیا۔

"آج سے ہم نے اپنی "مجلس اتحاد ملت" کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب ہم مسلم لیگ کے پرچم تلے ملک و قوم کی خدمت سرانجام دیں گے۔ اس جماعت کے "جیش نیلی پوش" اب مسلم لیگ کے سپاہی ہوں گے"۔ اس اعلان پر قائداعظم نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

قرارداد پاکستان کی تائید: ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اس وقت برصغیر کے ممتاز مسلم لیگی لیڈر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اہل سنت کی نمائندگی مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت شیخ القرآن کر رہے تھے۔ مولانا بدایونی نے اس تاریخی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے "قرارداد پاکستان" کی زبردست تائید حمایت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن اسٹیج پر تشریف فرما تھے، اس سے مسلم لیگ میں آپ کے مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پاکستان کے حق میں تقاریر: آپ ایک قادر الکلام خطیب تھے جہاں مجلس وعظ میں سامعین آپ کی خوش بیانی پر جھوم جھوم کر داد دیتے تھے وہاں سیاسی اسٹیج پر ایسی تقریر کرتے کہ بڑے بڑے سیاستدان انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں احراریوں کا جلسہ تھا جس میں احراری لیڈر عطاء اللہ بخاری سامعین کو اپنے مخصوص انداز میں نظریہ پاکستان سے متنفر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف علمائے اہل سنت کا اسٹیج لگا ہوا تھا۔

حضرت شیخ القرآن مائیک پر تشریف لائے اور اپنی فصیح و بلیغ تقریر شروع فرمائی تو لوگ جوق در جوق آپ کے پنڈال میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مخالفین کے جلسے میں اُلو بولنے لگا اور عطاء اللہ بخاری ایسا جادو بیان خطیب تنہا رہ گیا۔ یہ منظر دیکھ کر ظفر علی خان بہت متاثر ہوئے اور ایک فی البدیہہ نظم پڑھی جس کے دو شعر یہ ہیں:

میں آج سے مرید ہوں عبد الغفور کا
چشمہ ابل رہا ہے محمد ﷺ کے نور کا
بند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ
کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

اس جلسہ کے بعد سیالکوٹ جو احراریوں کا گڑھ شمار کیا جاتا تھا، مسلم لیگ کا گہوارہ بن گیا۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۴۴ء میں یہیں منعقد ہوا جس میں قائداعظم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن نے وزیر آباد کے مسلم لیگی عہدیداروں اور نیشنل گارڈ کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن نے برصغیر کے طول و عرض میں دورہ فرمایا اور اپنی فصیح و بلیغ تقاریر کے ذریعے سے پاکستان کے حق میں فضا ہموار کی۔

مسلم لیگی اُمیدوار کی حمایت: فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی اُمیدواروں کی حمایت میں طوفانی دورے کیے۔ ان کے اپنے حلقہ پنجاب اسمبلی گوجرانوالہ شمالی میں مسلم لیگ کے اُمیدوار چوہدری صلاح الدین چٹھہ آف احمد نگر تھے۔ جبکہ یونینسٹ پارٹی کی طرف سے راجہ محمد عبداللہ خاں اُمیدوار تھے۔ حضرت شیخ القرآن کی حمایت کی بدولت مسلم لیگی اُمیدوار نے 7872 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی جبکہ یونینسٹ پارٹی کا امیدوار 6332 ووٹ لے کر ناکام رہا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت: اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس میں عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً پانچ ہزار علماء مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سنی عوام نے شرکت کی۔ حضرت شیخ القرآن اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور پرزور

"آج سے ہم نے اپنی "مجلس اتحاد ملت" کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اب ہم مسلم لیگ کے پرچم تلے ملک و قوم کی خدمت سرانجام دیں گے۔ اس جماعت کے "جیش نیلی پوش" اب مسلم لیگ کے سپاہی ہوں گے"۔ اس اعلان پر قائداعظم نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

قرارداد پاکستان کی تائید: ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اس وقت برصغیر کے ممتاز مسلم لیگی لیڈر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اہل سنت کی نمائندگی مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت شیخ القرآن کر رہے تھے۔ مولانا بدایونی نے اس تاریخی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے "قرارداد پاکستان" کی زبردست تائید حمایت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن اسٹیج پر تشریف فرما تھے، اس سے مسلم لیگ میں آپ کے مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے حق میں تقاریر: آپ ایک قادرالکلام خطیب تھے جہاں مجلس وعظ میں سامعین آپ کی خوش بیانی پر جھوم جھوم کر داد دیتے تھے وہاں سیاسی اسٹیج پر ایسی تقریر کرتے کہ بڑے بڑے سیاستدان انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں احراریوں کا جلسہ تھا جس میں احراری لیڈر عطاء اللہ بخاری سامعین کو اپنے مخصوص انداز میں نظریہ پاکستان سے متنفر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف علمائے اہل سنت کا اسٹیج لگا ہوا تھا۔

حضرت شیخ القرآن مائیک پر تشریف لائے اور اپنی فصیح و بلیغ تقریر شروع فرمائی تو لوگ جوق در جوق آپ کے پنڈال میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مخالفین کے جلسے میں الو بولنے لگا اور عطاء اللہ بخاری ایسا جادو بیان خطیب تنہا رہ گیا۔ یہ منظر دیکھ کر ظفر علی خان بہت متاثر ہوئے اور ایک فی البدیہہ نظم پڑھی جس کے دو شعر یہ ہیں:

میں آج سے مرید ہوں عبد الغفور کا
چشمہ ابل رہا ہے محمد ﷺ کے نور کا
بند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ
کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

اس جلسہ کے بعد سیالکوٹ جو احراریوں کا گڑھ شمار کیا جاتا تھا، مسلم لیگ کا گہوارہ بن گیا۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۴۴ء میں یہیں منعقد ہوا جس میں قائداعظم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن نے وزیر آباد کے مسلم لیگی عہدیداروں اور نیشنل گارڈ کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ القرآن نے برصغیر کے طول و عرض میں دورہ فرمایا اور اپنی فصیح و بلیغ تقاریر کے ذریعے سے پاکستان کے حق میں فضا ہموار کی۔

مسلم لیگی اُمیدوار کی حمایت: فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی اُمیدواروں کی حمایت میں طوفانی دورے کیے۔ ان کے اپنے حلقہ پنجاب اسمبلی گوجرانوالہ شمالی میں مسلم لیگ کے اُمیدوار چوہدری صلاح الدین چٹھہ آف احمد نگر تھے۔ جبکہ یونینسٹ پارٹی کی طرف سے راجہ محمد عبداللہ خاں اُمیدوار تھے۔ حضرت شیخ القرآن کی حمایت کی بدولت مسلم لیگی اُمیدوار نے 7872 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی جبکہ یونینسٹ پارٹی کا اُمیدوار 6332 ووٹ لے کر ناکام رہا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت: اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس میں عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً پانچ ہزار علماء مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سنی عوام نے شرکت کی۔ حضرت شیخ القرآن اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور پرزور

خطاب کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا: "پاکستان اسلامی اصولوں کے مطابق ایک اسلامی مملکت ہوگا"۔

قائداعظم کی وزیرآباد آمد: حضرت شیخ کی دعوت پر اگست 1946ء میں قائداعظم وزیرآباد تشریف لائے، حضرت شیخ القرآن اور عوام کے جم غفیر نے اللہ اکبر، قائداعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعروں کی گونج میں آپ کا استقبال کیا۔ قائداعظم نے حضرت شیخ القرآن کی مسجد سے قریبی میدان میں نصف گھنٹہ خطاب کیا، حضرت شیخ القرآن نے اپنی استقبالیہ تقریر میں قائداعظم کو زبردست خراج تحسین پیش کیا، جسے سن کر قائداعظم نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

سنت یوسفی: جنوری ۱۹۴۷ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب خضر حیات ٹوانہ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی اور گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر باغی قرار دیا اور گرفتاریاں ڈالنی شروع کردیں۔ ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سعادت سب سے پہلے حضرت شیخ القرآن کے حصہ میں آئی، حضرت شیخ القرآن نے ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں زمانہ اسیری بڑی خندہ پیشانی سے گزارا۔ اور حق کی خاطر جیل کاٹ کر سنت یوسفی پر عمل کا شرف حاصل کرلیا۔

قیام پاکستان: حضرت شیخ القرآن ودیگر علمائے اہل سنت اور قائدین مسلم لیگ کی شبانہ روز کاوشوں کی بدولت پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ حضرت شیخ القرآن نے مہاجرین کی آبادکاری کیلئے شب وروز کام کیا۔ مقامی تحصیلدار اور تھانیدار کے ساتھ شہر کا گشت اپنا معمول بنایا۔ اور خالی مکانات کو اپنی نگرانی میں مہاجرین میں تقسیم کیا۔

تکمیل پاکستان کیلئے جدوجہد: قیام پاکستان کے بعد اسے صحیح معنوں میں پاکستان بنانے اور یہاں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نافذ کرنے کیلئے حضرت شیخ القرآن نے جدوجہد کو جاری رکھا۔ اہل سنت کی سیاسی تنظیم، جمعیت علمائے پاکستان کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ آپ کو جمعیت کا مرکزی نائب صدر چنا گیا۔ آپ نے تحریک ختم نبوت، میں اپنی شعلہ بیانی سے مرزائیت کا ناطقہ بند کردیا۔ 1970ء میں جب پی پی نے "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کا نعرہ بلند کیا تو آپ نے مسلسل جدوجہد سے سوشلزم کے طلسم کو پاش پاش کردیا۔

سفر آخرت: ۶ شعبان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء جمعہ کے روز حسب عادت صبح سیر کیلئے نکلے، نالہ پلکھو کے پاس شاہراہ پر ایک ٹرک سے حادثہ ہوگیا۔ ہسپتال پہنچایا گیا جہاں کلمہ پڑھتے ہوئے آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے روز مولانا محب النبی کی امامت میں تقریباً ایک لاکھ افراد نے نماز جنازہ ادا کیا۔ وزیرآباد کے جنوب میں آپ کی ذاتی اراضی جو مہر آباد کے نام سے موسوم ہے، میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ وہاں اب عالی شان مزار تعمیر ہوچکا ہے اور ہر سال شعبان المعظم میں عرس منایا جاتا ہے

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت شیخ القرآن اور دیگر اکابرین اہلسنت کی تحریک پاکستان میں عظیم جدوجہد کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ ان کے مشن یعنی تکمیل پاکستان اور نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ کو آگے بڑھایا جائے۔

ماخذ ومراجع

(۱) شاہ حسین گردیزی، مولانا، تجلیات مہر انور، مکتبہ مہریہ، گولڑہ ۱۹۹۲ء
(۲) غلام معین الدین نعیمی، مولانا، حیات صدر الافاضل، فرید بک سٹال، لاہور
(۳) محمد صادق قصوری، تحریک پاکستان اور علمائے کرام

اعلیٰ حضرت کے گرامی خلفاء و شاگرد
کشور پاک کے تائید کناں تھے اکثر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں جب گاندھی کی خوفناک آندھی چلی تو مسلمانوں کے کئی بڑے لیڈر اس کی زد میں آکر خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور وہ قشقہ لگانے لگے ، جے پکارنے لگے، مشرکوں کی تعزیت کرنے لگے، گائے کی قربانی ترک کرنے لگے، رام لیلا منانے لگے، مشرکوں کو مسجد میں لے جاکر منبر پر بٹھانے لگے۔(۱)

تو ان نازک حالات میں بریلی کے مرد مجاہد امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے ''ہندو مسلم اتحاد'' کے خلاف صدائے حق بلند کی تحریری طور پر ''دو قومی نظریہ'' قوم کے سامنے پیش کیا (۲)۔

دو قومی نظریہ کی حفاظت کے لیے ''جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی شریف'' قائم کی (۳) ۱۹۲۱ء میں آپ وصال فرما گئے مگر اپنے پیچھے خلفاء و تلامذہ کی ایک ایسی منظم جماعت چھوڑ گئے جس نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا بلکہ یہ آپ کی حیات ہی میں یہ حضرات سرگرم ہو گئے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ کے مشاہیر خلفاء و تلامذہ اور دیگر متعلقین و معاصرین نے دو قومی نظریہ کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر سر دھڑ کی بازی لگا دی اور میدان عمل میں کود پڑے۔

ان کی راہ میں کئی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہ آئی اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے اور بالآخر اس خطہ میں ایک الگ اسلامی مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آگئی جو آج عالم اسلام کی پہلی واحد ایٹمی طاقت ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلفاء و تلامذہ اور دیگر سنی علماء و مشائخ نے تحریک پاکستان میں نہایت موثر کردار ادا کیا۔ ان تمام کی خدمات کو احاطہ تحریر میں لانا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے پیش نظر مقالہ میں صرف امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے چند مشاہیر خلفاء کی سیاسی خدمات کی صرف ایک جھلک دی جارہی ہے تاکہ تحریک پاکستان میں ان کے روشن کردار سے آگاہی ہوسکے اور غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

امام المحدثین سید ابو محمد دیدار علی شاہ الوری

۱۲۷۳ھ ۱۳۵۴ھ

دو قومی نظریہ کی حمایت میں امام المحدثین سید ابو محمد دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمۃ کا کردار نہایت روشن اور نمایاں ہے۔ آپ نے دو قومی نظریہ کی حمایت میں ایک جامع فتویٰ مرتب فرما کر شائع کیا جس سے کانگریس نواز علماء بڑے چراغ پا ہوئے اور پورے ہندوستان میں کھلبلی مچ گئی۔ ہندو اور کانگریسی علماء نے شدید مخالفت کی مگر آپ نے سینہ سپر ہو کر ان کا مقابلہ کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور

مولانا شوکت علی نے دو قومی نظریہ کی تائید میں آپ کے ٹھوس دلائل سنے تو انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور لاہور کی تاریخی جامع مسجد وزیر خاں میں منعقد عظیم الشان جلسہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے دو قومی نظریہ کی مکمل تائید کا اعلان کر دیا۔ (۴)

ایک دفعہ مسجد وزیر خاں میں کانگریسی اور احراری علماء نے ایک بہت بڑے سیاسی جلسے کا اہتمام کیا آپ خطیب مسجد ہونے کی حیثیت سے مدعو تھے۔ آپ نے اسی اسٹیج پر اس شد و مد سے کانگریس اور احرار کے سیاسی خیالات پر تنقید کی کہ حاضر جھوم اٹھے اور کانگریسی علماء وہ خیالات اپنے ساتھ ہی لے کر چلے گئے جو لاہور والو تک پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ (۵)

فقیہ اعظم علامہ ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلی

۱۲۸۰ھ..............۱۳۷۰ھ

تحریک پاکستان میں فقیہ اعظم علامہ ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلی علیہ الرحمۃ کا کردار روز روشن کی طرح واضح ہے۔ آپ نے تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے حق میں جگہ جگہ پر جوش تقریریں کر کے مسلمانان ہند کو پاکستان اور مسلم لیگ کے حق میں بیدار اور منظم کیا۔ ۲۶، ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ڈسٹرکٹ سنی کانفرنس امرتسر کے زیر اہتمام حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس منعقد ہوا۔ عرس کی تقریبات کی صدارت حضرت امیر ملت علیہ الرحمۃ کر رہے تھے ان تقریبات میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ، محدث اعظم سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمۃ کے اسمائے گرامی نہایت نمایاں ہیں۔

ان تمام علماء حق نے تصور پاکستان اور مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کا اعلان کیا۔ ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء میں انتخابات کے موقع پر کوٹلی لوہاراں کے مولانا محمد احمد چشتی علیہ الرحمۃ نے آپ سے دریافت کیا کہ ووٹ کسے دینا چاہیے تو آپ نے جواب میں صریحاً مسلم لیگ کی حمایت کرنے اور اس کو ووٹ دینے کی ہدایت کی تحریک پاکستان کی حمایت میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کی حمایت کا واضح اور دو ٹوک موقف بنارس سنی کانفرنس (منعقدہ ۲۷، ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء) میں ظاہر ہوا۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے دیگر علمائے سیالکوٹ کے ہمراہ بنارس سنی کانفرنس میں شرکت کی اور مطالبہء پاکستان کو تقویت پہنچائی۔

تحریک پاکستان کے آخری دور میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے مولانا فقیر اللہ نیازی، مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، مولانا عبدالعزیز ھاشمی، مولانا محمد امام الدین قادری، مولانا محمد نور الحسن سیالکوٹی اور سید فتح علی شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہمراہ متحدہ پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے سامنے ہندو اور انگریز دونوں کے سامراجی عزائم کو بے نقاب کیا اور مسلم لیگ کی حمایت پر زور دیا۔ (۶)

حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۹۲ھ..............۱۳۶۲ھ

دو قومی نظریہ (جس کی بنیاد پر مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی) کی پاسبانی میں حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ۴ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ / مارچ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقی کے لئے مقتدر علماء حق نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ کانفرنس کے بانی اراکین میں شہزادہ اعلیٰ حضرت

حجۃ الاسلام کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ کانفرنس کے پہلے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء مراد آباد میں بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، عمرانی ترقی کے واضح اور مکمل لائحہ عمل پر مبنی ہے۔ وقت گذرنے کے باوجود آج بھی وہ خطبہ واضح نشان راہ ہے۔ اسی خطبے میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی بجائے مسلمانوں کے آپس میں اتحاد و اتفاق کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"بے شک دو گھوڑوں کو ایک گاڑی میں جوڑ کر زیادہ وزن کھینچا جاسکتا ہے لیکن بکری اور بھیڑ کو ایک جگہ جمع کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔" (۷)

مسلمانوں کو ہندوؤں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ سمجھتے رہنا چاہیے کہ یہ دشمن موقع کی تاک میں ہے اور موقع مل جائے تو وہ ہمارے ساتھ کمی کرنے والا نہیں ہم اپنے آپ کو اس موقع بچاتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ پچھلے زمانہ کی طرح دشمنوں پر اعتماد کیا جائے اپنی باگ ان کے ہاتھ میں دے دی جائے، اپنی کشتی کا ناخدا ان کو مان کر اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈالا جائے، آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرنے لگیں جس راہ وہ ہمیں لے چلیں، ہم وہ راہ چل کھڑے ہوں۔ ماضی قریب کی سیاسی جماعتوں اور کمیٹیوں کے اغواء سے مسلمان ان غلطیوں کا شکار ہو چکے ہیں جن کے نتائج آج یہ رونما ہو رہے ہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے استحصال پر کمر باندھ لی ہے، کہیں مرتد کرنے کی کوشش ہیں، کہیں تیغ و تفنگ سے حملے ہیں۔

کہیں قانونی شکنجوں سے کسا جاتا ہے یہ سب اسی ہندو پرستی کا صدقہ ہے جو پچھلے چار پانچ سال مسلمان کر چکے ہیں۔ (۸)

مزید فرمایا: "الحاصل مسلمان، ہندو اور ہندو پرستوں سے پرہیز کریں، اپنے امور ان کے ہاتھ میں نہ دیں، اپنے آپ کو ان کی رائے کے سپرد نہ کریں، رہزنوں کو رہنما نہ بنائیں۔ ان کی مجالس میں شرکت نہ کریں، ان کی چکنی چپڑی باتوں اور درد اسلام کے دعویٰ سے دھوکہ نہ کھائیں حریفان چابک فن سے بچیں"۔ (جاری ہے)